فون نمبر: 5863260
5862956
مدیر: چوہدری ریاض احمد
نائب مدیر: حامد رحمٰن
Email: centralanjuman@yahoo.com
رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 101 | 7 ذوالحج تا 7 محرم 1435 ہجری یکم اکتوبر تا 31 اکتوبر 2014ء | شمارہ نمبر 20-19

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

حضرت امام حسینؓ کا مقام

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی نظر میں

ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں

''میں اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کی رُو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنی اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی سہل امر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے:

--------- مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال ان کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے ہیں اور اس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمال فاسقانہ ہوں۔ یا غفلت اور کسل ہو۔ سب سے اپنے تئیں دُور لے جاتے ہیں لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔

مگر حسینؓ طاہر ومطہر تھا اور بلاشبہ ان برگزیدوں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کرتا ہے اور بلاشبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرا کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے اور اس امام کا تقویٰ اور محبت اور صبر واستقامت اور زہد وعبادت ہمارے لئے اُسوہ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔

تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ایمان، اخلاق، شجاعت تقویٰ اور استقامت اور محبتِ الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ ایک خوبصورت انسان کا نقش۔

یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے ان کی قدر مگر وہی جو انہی میں سے ہے۔ دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی کیوں کہ وہ دنیا سے بہت دُور ہیں۔ یہی وجہ حضرت حسینؓ کی شہادت کی تھی کیوں کہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسینؓ سے بھی محبت کی جاتی''۔ (پیغام صلح ۱۵ جولائی ۱۹۹۲ء)

قرآن کا پاسدار و نگہدار اُٹھ گیا

محمد اعظم علوی

دینِ مبین کا مونس و غمخوار اُٹھ گیا   قرآن کا پاسدار و نگہدار اُٹھ گیا!
''شاہِ قلم'' تھا جس کو سزا وار اُٹھ گیا   ہائے مسیحِ وقت کا وہ یار اُٹھ گیا!

ایمان کو اب زمیں پہ اتارا کرے گا کون؟
زُلفِ نگارِ دین کو سنوارا کرے گا کون؟

قائم تھیں جس کے ساتھ ارادت کی محفلیں   روشن ہوئی تھیں رُشد و ہدایت کی مشعلیں
طے ہورہی تھیں دیں کی اشاعت کی منزلیں   حل کرگیا جو ملّتِ بیضا کی مشکلیں

وہ اس جہاں میں واقفِ رمز و نکات تھا
سچ پوچھیے تو دین کی اِک کائنات تھا

آنکھوں میں ایک نُور کی جنت لئے ہوئے   چہرے پہ دو جہان کی زینت لئے ہوئے
آواز میں مذاقِ حلاوت لئے ہوئے   موئے قلم میں شورِ قیامت لئے ہوئے

محفل سے اُٹھ کے وہ تنِ تنہا چلا گیا
اے ربِّ ذوالجلال اُسے کیوں بلا لیا

سمٹی ہوئی تھیں اس میں جہاں بھر کی وسعتیں   پھیلا رہا تھا باغِ محمد کی نکہتیں
گو راہِ حق میں لاکھ اُٹھائیں مشقتیں   منصور تھا وہ ساتھ رہیں اس کے نُصرتیں

اُس کی نظر وسیع تھی ، بلا کا دماغ تھا
اس دَور میں وہ دین کا چشم و چراغ تھا

وہ رہنمائے راہِ سعادت کہیں جسے   دانندۂ رموزِ شریعت کہیں جسے
وہ نُور ماہتابِ ہدایت کہیں جسے   وہ نُور آفتابِ صداقت کہیں جسے

جس کی چمک دِلوں کو منور بنا گئی
جلتے ہوئے چراغِ کلیسا بجھا گئی

وہ مردِ آہنی تھا کہ تھا تیغِ بے نیام   جس کے رہے غلام یہ اوقاتِ صبح و شام
جنت میں آرہا ہے وہ منصور شاد کام   سجدہ نہیں ملک اُسے جھک کر کریں سلام

وہ شارحِ نگارشِ ربِّ قدیر ہے
سالار ہے جہاں ہو ، کہیں ہو امیر ہے

اداریہ

ماہ محرم، ماہ مقدس

محرم الحرام اسلامی سال کا ابتدائی مہینہ ہے جو کہ حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں جنگ و جدل ممنوع قرار دی ہے سوائے دفاعی جنگ کے۔ سو ہر مسلمان مرد و عورت پر اس ماہ مقدس کی تعظیم اور جنگ و جدل سے گریز فرض ہے۔ محرم الحرام کے تقدس کا خیال اور احترام جاہلیت کے زمانہ میں بھی کیا جاتا تھا۔ عرب کے بدّو اپنی تمام تر جہالت کے اور وحشت پسندی کے باوجود اس ماہ مقدس میں جنگ و جدل، لوٹ مار، غارت گری و رہزنی اور کشت و خون سے باز رہتے تھے۔ نتیجتاً اس ماہِ امن میں کمزور لوگوں کو سکھ کا سانس ملتا تھا۔ اسلام نے ان مہینوں کی حرمت بحال رکھی بلکہ قرآن مجید نے حرمت والے مہینوں کے متعلق ''سوان (مہینوں) میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو'' کہہ کر ہر مسلمان کو اس کی حرمت کا پابند ٹھہرا دیا۔

محرم الحرام تاریخی نقطہ نظر سے بھی امتِ مسلمہ کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ یکم محرم الحرام امیر المومنین حضرت عمر فارق ؓ کا یوم شہادت ہے جبکہ دس محرم الحرام وہ دن ہے جس میں نواسۂ رسول ؐ حضرت امام حسین ؓ کی شہادت کا دلخراش واقعہ پیش آیا۔ دونوں برگزیدہ '' جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اُنہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم نہیں محسوس کرتے'' کے مصداق موت کو شکست دے کر حقیقی زندگی کی آغوش میں پہنچ گئے جو کسی بھی مومن کا مطلوب ہے۔ اللہ کے رسول ؐ کے یہ دونوں ستارے ہمیشہ آسمانِ ہدایت میں چمکتے رہیں گئے اور مومنین کے لئے راہ نمائی کا ذریعہ اور نمونہ بنے رہیں گئے۔ مرادِ رسول ؐ حضرت عمر فاروق ؓ تا قیامت انسانوں کے لئے جرأت و وَفا کا بے نظیر نمونہ ہیں تو امام حسین ؓ وہ کلمۃ الحق جو کوئی بھی خدا خوف، حق گو انسان جھٹلا نہیں سکتا۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ ان برگزیدہ شخصیات اور ان کی عظیم شہادتوں کو کچھ سطحی سوچ کے حامل افراد اُمت محمدیہ میں باہمی نفرت اور فرقہ واریت کا ذریعہ بنا دیتے ہیں جو کہ دینِ مبین کی روح اور رسول ؐ اللہ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے اس ماہ مقدس میں فرقہ وارانہ حادثات کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔ معمولی اشتعال انگیزی سے خوفناک فساد رونما ہو سکتے ہیں جن میں قیمتی جانوں کے ضیاع کا خطرہ ہر وقت منڈلاتا رہتا ہے۔ اس ماہ مقدس میں کسی قسم کے فساد کا موجب یا حصہ بننا اللہ تعالیٰ کے احکامات کی صریح بغاوت ہے۔

وطن عزیز میں محرم الحرام کی آمد کے ساتھ ہی چند ناعاقبت اندیش سطحی سوچ کے حامل افراد کی جانب سے اشتعال انگیزی میں اضافہ ہونا شروع ہو جاتا ہے ایسے نازک موقع پر قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ساتھ ساتھ ہر ذمہ دار شہری کا فرض ہے کہ فروعی اختلاف سے بالاتر ہو کر شر پسند عناصر کی حوصلہ شکنی کی جائے، یہی اس ماہ کی حرمت کا تقاضا ہے اور دین کی اصل روح بھی یہی ہے۔ اسلام امن کا دین ہے ہر مسلمان اور ہر پاکستانی پر انفرادی طور پر بھی یہ فرض ہے کہ امن کے قیام کے لئے کردار ادا کرے تا کہ ہمارے آباؤ کا حقیقی اسلامی فلاحی ریاست کا خواب جلد از جلد شرمندہ تعبیر ہو سکے۔

خطبہ جمعۃ المبارک

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 19 ستمبر 2014ء بمقام جامع دارالسلام لاہور

’’اللہ بے انتہاء رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے‘‘۔

’’اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کو جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں۔ پس چاہیے کہ میری فرمانبرداری کریں اور چاہیے کہ مجھ پر ایمان لائیں تا کہ ہدایت پائیں‘‘۔(سورۃ البقرہ2: آیت نمبر186)

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ ستمبر کے حوالہ سے بہت سے واقعات ہیں جو درسوں اور خطبات کا موضوع بنے۔ 7 ستمبر کے حوالہ سے ایک خطبہ میں ہماری توجہ اس دن کی طرف دلائی گئی جب ہماری جماعت کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا اور پھر یہ بات واضح کی گئی کہ **حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ہرگز نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اس لئے یہ فیصلہ صرف سیاسی تھا نہ کہ مذہبی۔**

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کی اسلام کے لئے بے انتہاء خدمات ہیں۔ آپ نے اپنی کتب، اشتہارات اور لیکچروں کے ذریعے اسلام کی جو خدمت سرانجام دی اسکی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آج سے 110 سال پہلے 3 ستمبر 1904ء کو حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ نے اسی شہر لاہور میں ایک خطبہ دیا جو لیکچر لاہور کے نام سے مشہور ہے اور آپکی تصنیفات کے مجموعے میں بھی شامل ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو حضرت صاحب کی کتب کے مجموعہ کو پڑھتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں؟

میں اکثر سوچتا ہوں کہ شاید یہی وجہ ہے کہ سلسلہ کی مخالفت کرنے والے تو **حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ** کی تعلیمات کو نہیں جانتے اور پڑھنا بھی ضروری نہیں سمجھتے اس لئے وہ ہدایت سے محروم رہتے ہیں لیکن دوسری طرف **حضرت صاحب کے ماننے والے خود بھی ان تصنیفات کو پس پشت ڈال چکے ہیں اس لئے اُن کو کچھ خبر نہیں کہ اس زمانے کے امام نے کیا پیغام دیا اور ان تکالیف کا کیا حل بتایا۔** آپ نے کیسے کیسے مفید نسخے ہمارے ہاتھ میں تھمائے جن کو ہم استعمال نہیں کرتے لیکن پھر یہ توقع رکھے ہوئے ہیں کہ ہم نے اپنے آپ کو احمدی کہہ ڈالا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ صرف اور صرف ہماری مدد کا کردار لے کر اس دنیا میں موجود ہے، یہ غلط فہمی ہے۔ **جتنے اللہ تعالیٰ کے وعدے وعید ہیں وہ تمام کے تمام شرائط پر مبنی ہوتے ہیں۔**

ہم اکثر کہتے ہیں کہ زمانہ کے امام نے کشتی نوح بنائی اور ہم سب اس میں سوار ہیں لہٰذا ہم محفوظ ہیں۔ یہ حفاظت مشروط ہے۔ کتاب ’’کشتی نوح‘‘ پڑھیں پھر فیصلہ کریں کہ ہم میں کونسی خوبیاں ہیں اور کونسی نہیں۔ جن کی وجہ سے آپ اپنے آپ کو اس کشتی کے سواروں میں تصور کر سکتے ہیں۔ اور کیا اس کشتی میں سواری کا ٹکٹ جو تعلیم ہے اس پر ہم عمل کر رہے ہیں؟

ہم سب کو اپنے اپنے دلوں میں اسکا جائزہ لینا ہے کہ ہم اس تعلیم پر کتنا عمل کر رہے ہیں جو ہمارے امام نے ہمیں دی اور ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نے وہ قبول کر لی۔ اگر ہم حضرت صاحب کا لیکچر لاہور غور سے سنیں (پڑھیں) اور پھر اس پر عمل کریں تو ہمیں اللہ کی حفاظت اور اس کا قرب بھی حاصل ہوگا۔

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے وجود کے مختلف تصورات

سورۃ البقرہ کی جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی اس کی تشریح کرتے ہوئے خود حضرت صاحب یوں فرماتے ہیں: **’’اگر میرے بندے میرے وجود کے متعلق سوال کریں کہ کیونکر اس کی ہستی ثابت ہے اور کیونکر سمجھا جائے کہ**

خدا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں بہت ہی نزدیک ہوں ، میں اپنے پکارنے والے کو جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے اور اس سے ہمکلام ہوتا ہوں پس چاہیے کہ اپنے تئیں ایسے بناویں کہ میں ان سے ہمکلام ہو سکوں اور مجھ پر کامل ایمان لاویں تا کہ ان کو میری راہ نصیب ہو جائے"۔

اب اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کو کچھ لوگ مانتے ہی نہیں اور جو مانتے ہیں ان میں سے ایک گروہ اس کو اب سویا ہوا خدا مانتا ہے اور کچھ ان میں سے (نعوذ باللہ) اس کو مرا ہوا خدا مانتے ہیں۔ اور پھر جو ایمان لاتے ہیں کہ خدا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں **ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ خدا کبھی بولا کرتا تھا، کبھی جواب دیا کرتا تھا، کبھی سنا کرتا تھا، کبھی ہمکلام ہوا کرتا تھا، اب یہ سلسلہ بند ہو گیا** جبکہ حضرت صاحب کی تعلیم یہ ہے کہ اگر آج بھی وہ لوگوں کے ساتھ ہمکلام نہ ہو، گفتگو نہ کرے تو پھر اس کے وجود پر ایک سوال ہو گا کہ پتہ نہیں موجود ہے بھی یا نہیں۔ مگر جو گفتگو وہ اپنے بندوں کے ساتھ کرتا ہے اس کے لئے بھی شرائط ہیں۔ اگر ہم اس گروہ میں ہیں جو مانتے ہیں کہ وہ گفتگو کرتا ہے اور اس کے باوجود وہ ہم سے ہمکلام نہیں ہو رہا تو پھر ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم کیوں اس راہ (احمدیت) پر نہیں ہیں جو ہم نے اختیار کی، جس کی وجہ سے ہمیں گالی گلوچ ملی، تنگ کیا گیا، ستائے گئے، کافر کہلائے گئے، دائرہ اسلام سے خارج کئے گے۔ پھر کیوں ہمارے اندر یہ سوچ باقی نہیں رہی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کھوج اور اس کے قرب کی تلاش میں لگے رہیں۔ یہی مضمون "لیکچر لاہور" کا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت صاحب نے اپنی تعلیم کا نچوڑ دیا ہے۔ آپ نے اپنے پیغامات میں بشمول لیکچر لاہور، خدا کی زندہ ہستی، اس کا انسان کے قریب ہونا، اس کا اپنے بندوں کے سوال سننا اور پھر ان سوالوں کا جواب دینا یعنی گفتگو کرنا ثابت کیا ہے۔ حضرت صاحب نے اپنی تعلیم کے ذریعہ بتایا ہے کہ متقی کیسے بنا جائے۔ خالی قرآن کو ہاتھ میں اٹھائے پھرنے سے کوئی متقی نہیں بنتا بلکہ اس پر کامل ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے سے انسان متقی بنتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم سب مومنین کہلاتے ہیں، مسلمان کہلاتے ہیں، احمدی کہلاتے ہیں لیکن اس کے باوجود کامل ایمان اور کامل عمل کی کمی ہے جبکہ اسی کامل ایمان کی وجہ سے اللہ راہیں کھولتا ہے۔ آپؑ نے لیکچر لاہور میں اللہ اور بندے کے درمیان کے اسی رشتہ پر روشنی ڈالی ہے۔

"لیکچر لاہور" اسلام کا خلاصہ ہے

حضرت صاحب نے اس لیکچر لاہور میں اسلام کا خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں **اسلام کے معنی ہیں ذبح ہونے کے لئے گردن آگے رکھ دینا۔** مثلاً میں "اُسلم" ہو گیا، میں نے اپنے ناک میں وہ رسی ڈال لی جو اونٹ کی ناک میں ڈال کر اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے سارا قافلہ سیدھا چلتا ہے۔ جہاں مالک چاہے وہاں وہ رُخ کرتا ہے۔ تو ذبح ہونے کے لئے گردن آگے رکھ دینا یعنی کامل رضا کے ساتھ اپنی روح کو خدا کے آستانہ پر رکھ دینا ہی اسلام ہے۔ (یہ نہیں کہ ہم کہیں تو یہ کہ میں نے اللہ کی مکمل فرمانبرداری اختیار کر لی، لیکن جب چھری نظر آئے یا تھوڑی سی تکلیف آئے تو بھاگ کھڑے ہوں)۔

آپ فرماتے ہیں:

"ایمان جو کامل نہیں وہ بے سود ہے۔ محبت جو کامل نہیں وہ بے سود ہے، خوف جو کامل نہیں وہ بے سود ہے، معرفت جو کامل نہیں وہ بے سود ہے اور ہر ایک غذا اور شربت جو کامل نہیں وہ بے سود ہے۔ اب غذا اور شربت کیوں کہا کہ جب انسان بھوکا ہوتا ہے تو اس کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے، جب وہ پیاسا ہوتا ہے تو اس کو پانی درکار ہوتا ہے لیکن جب آپ کو غذا اور شربت مل جانے کے بعد جو آپ کو درکار ہے ایک قطرہ پانی پی لیں، ایک نوالہ غذا کھا لیں تو پھر بھی مقصد حل نہیں ہوتا۔ **جو لوگ خدا سے تھوڑی معرفت، تھوڑی محبت، تھوڑا خوف کریں اور پھر توقع رکھیں کہ بڑا فضل اس کو حاصل ہو جائے تو یہ ممکن نہیں، اسی طرح جیسے بھوکا تھوڑا سا کھانا کھا کر چھوڑ دے تو اس کو کچھ حاصل نہیں۔ پیاسا ایک قطرہ منہ میں ڈال کر چھوڑ دے تو اس کو کچھ حاصل نہیں۔**

جنتی اور جہنمی زندگی

اس لیکچر میں آپ نے جنتی اور جہنمی زندگی کا بھی مفہوم دیا ہے۔ اور اس بات پر زور دیا کہ جنت اور جہنم کی خاطر نیکیاں اور بدیاں نہ کریں بلکہ خدا کی رضا کے

لئے تمام چیزیں کی جائیں۔ **تو جب تمام اعمال خدا کی خوشنودی کے لئے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کریں تو پھر خدا تعالیٰ آپ کو اسی دنیا میں بہشت عطا فرما دیتا ہے۔ جب ہمیں جنت کا زرق ملتا ہے تو وہ یہاں سے ہی شروع ہوتا ہے۔ اور جب ہم اس کے برعکس خدا کی باتوں کے خلاف چلتے جائیں، اس زندگی کی خواہشوں کے پیچھے جھکے رہیں تو پھر جہنمی زندگی بھی اسی دنیا میں شروع ہو جاتی ہے۔** خدا کے متعلق یہ خیالات کہ وہ زندہ نہیں، وہ بولتا نہیں، وہ جواب نہیں دیتا، وہ دیکھتا نہیں یہ خود ایک محرومی ہے اور اسی محرومی کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ دوزخ کا ایک اس دنیا میں سماں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''میں قریب ہوں'' اور ''میں شہ رگ سے بھی قریب ہوں'' لیکن اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لئے محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔ ہم دنیا میں کسی کے قریب ہونا چاہتے ہیں تو اس کے لئے کتنی محنت کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ جو ہدایت دیتا ہے وہ قرآن کے ذریعے دیتا ہے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے ذریعہ دیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سورۃ الکھف کی آخری آیت میں فرماتا ہے:

''پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو چاہیے کہ وہ اچھے عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے''۔

ہم بغیر چاہتے ہوئے بھی لحہ بہ لحہ خدا کے ساتھ شرک کر رہے ہوتے ہیں اور ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا۔ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس دنیا میں اسے خدا کا دیدار نصیب ہو جائے جو حقیقی خدا اور پیدا کنندہ ہے پس چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے جن میں کسی قسم کا فساد نہ ہو یعنی اسکے عمل نہ لوگوں کو دکھلانے کے لئے ہوں نہ ان کی وجہ سے دل میں تکبر پیدا ہو ایسا نہ ہو کہ وہ عمل ناقص ہوں اور نا تمام ہوں اور ان میں کوئی ایسی بدبو ہو جو محبت ذاتی کے برخلاف ہو بلکہ چاہیے کہ صدق اور وفاداری سے بھرے ہوئے ہوں اور ساتھ اس کے یہ بھی چاہیے کہ ہر ایک قسم کے شرک سے پرہیز ہو۔ لوگ انسانوں کی پوجا کرتے ہیں شعوری یا غیر شعوری طریقہ سے۔ کوئی پیر پرستی میں مبتلا ہو جاتا ہے کوئی نبی کو خدا بنا کر اس کی پوجا کرنے لگ جاتا ہے اور ان سب کو اپنے محبوب ٹھہرانے لگ جاتا ہے **لیکن جب انسان کسی کو ایسی عزت دینے لگ جاتا ہے اور کسی پر ایسا بھروسہ کرنے لگ جاتا ہے کہ یہ ناراض ہو گیا تو میری زندگی تباہ ہو جائے گی تو وہ شرک ہوگا۔** اس لئے انسان کو ہر وقت خیال کرنا چاہیے کہ میں کسی کو اتنی اہمیت تو نہیں دے رہا ہوں کہ یہ مجھ سے ناراض ہو گیا تو دنیا ختم ہو جائے گی۔ اور کبھی یہ غرور بھی نہیں آنا چاہیے کہ میں نے بہت اچھے عمل کئے ہیں یا یہ کہ میں بہت عالم ہو گیا ہوں، سارا قرآن سمجھ گیا ہوں۔ یہ غرور ہے اور حضرت صاحبؑ فرماتے ہیں کہ:

''خدا کے آستانہ پر ہر وقت گرے رہو اور دعاؤں کے ساتھ اس کے فیض کو اپنی طرف کھینچو''۔ دعا کے بغیر اللہ نہیں ملتا۔

نماز کی کیفیت کیسی ہو؟

عبادت صرف نماز اور دعا کا ہی نام نہیں بلکہ عبادات کا تعلق رُوح کے ساتھ ہے، جب ہم کھڑے ہو جائیں تو ہم سمجھیں کہ ہماری روح اللہ تعالیٰ کے آگے کھڑی ہے جو کسی خطرہ سے نہیں ڈرتی، چٹان بن کر کھڑی ہے۔ اور جب ہم جھکیں تو اپنی روح کو ایسے تصور کریں کہ جو دنیا کی طرف جھکاؤ تھا وہ ختم ہو گیا ہے اب اللہ کی طرف جھکاؤ ہے اور پھر جب ہم سجدے میں جائیں تو یہ تصور کریں کہ ہماری روح نے اپنے آپ کو مٹی میں ملا دیا ہے، اپنے آپ کو اللہ کے آگے مردہ بنا دیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ ہماری مردہ حالت میں ایک نئی زندگی پھونکے۔

ہم کہہ دیتے ہیں کہ اللہ نے کہا ہے کہ میں تو شہ رگ سے بھی قریب ہوں۔ لیکن ہم کتنی کوشش کرتے ہیں کہ ہم اس کو اپنے قریب دیکھ سکیں، **اس کے وجود کو اپنے قریب محسوس کر سکیں جیسے کہا گیا ہے کہ نماز ایسے ادا کرو جیسے اللہ کو دیکھ رہے ہو۔**

خدا تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ چیز فطرتی طور پر ڈالی ہے کہ وہ اپنے خدا کو اپنے قریب پائے لیکن وہ اس کو اتنا دُور بھی کر سکتا ہے کہ وہ اس کو نظر نہ

آئے بلکہ اس کے متعلق خیال بھی نہ آئے۔ اگر اس کو پانے کی کوشش اور اس سے معافیاں مانگنے کا عمل زندگیوں سے نکل گیا ہے تو پھر اس جماعت کو ایک امام کی جماعت تصور کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

حضرت صاحب اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہیں پس ایسا ہی وہ اپنے قرب سے فانی انسان کو مشرف کرتا ہے''۔ وہ آپ کو ایک ذرے سے آسمان کی طرف لے جاتا ہے۔ تب وہ وقت آتا ہے کہ نابینائی دور ہو کر آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں اور انسان اپنے خدا کو اس نئی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

تو پھر ہم کب ایسا کریں گے کہ جب ملفوظات پڑھ کر سنائے جائیں یا خطبات سنے جائیں تو وہ صرف سننے کی حد تک نہ رہے بلکہ **کوئی ایسے بھی ہوں جو یہ فیصلہ کریں کہ امام کا دیا ہوا نسخہ اب آزمانے کا وقت آ گیا ہے کیونکہ حالات کا تقاضا ہے۔**

اسلام کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے اپنی زندگی بسر کرنا، اللہ کا قرب پالینا، ایسی حالت تک پہنچ جانا کہ ہم اللہ سے سوال کریں اور وہ ہمیں جواب دے۔ انسان اپنے خدا کے مشاہدہ سے سفلی زندگی کا گندا چولا اپنی وجود پر سے پھینک دے اور نور کا پہناوا پہن لے۔ صرف وعدہ کے طور پر اور نہ ہی فقط آخرت کے انتظار میں خدا کے دیدار اور بہشت کے منتظر رہے بلکہ اسی دنیا میں دیدار و گفتار اور جنت کی نعمتوں کو پالے۔ حضرت صاحب نے اس جماعت کو اسی غرض سے بنایا کہ یہ متقیوں کی جماعت ہو اور متقی ہونے کی تعریف یہی تھی کہ خدا ہماری رگ جان سے قریب آ جائے اور قرآن ہمارے دل میں اتر جائے اس پر عمل کرنا ہمارا وتیرہ بن جائے اگر یوں نہیں ہے تو پھر ہم شکوک میں گھرے رہیں گے کہ خدا واقعی بولنے والا اور سننے والا خدا ہے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے آپ نے ۳ شرائط ضروری ٹھہرائی ہیں:

(۱): ارادہ

(۲): جستجو، نماز اور دعا

(۳): نیک لوگوں کے ساتھ دوستی اور خصوصی تعلق

ہر انسان دوسرے انسان کا اثر قبول کرتا ہے ہم نے صرف اچھے لوگوں کا اثر قبول کرنا ہے، صدق والے لوگوں کا اثر قبول کرنا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے بنا دے جو قرآن کا منشا ہے۔

تو یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا خداوند خدا ہے جو جامع صفات کاملہ جس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں اور یہ کہہ کر پھر وہ استقامت اختیار کرتے ہیں اور کتنے زلزلے آویں اور بلائیں نازل ہوں اور موت کو سامنا ہو اور ان کے ایمان اور صدق میں فرق نہیں آتا، ان پر فرشتے اترتے ہیں، خدا ان کے دل سے خوف نکالتا ہے اور وہ بلاؤں اور خوفناک دشمنوں سے ڈرتے نہیں اور نہ گذشتہ مصیبتوں سے غمگین ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یقین دیتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور میں اسی دنیا میں تمہیں بہشت دیتا ہوں جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ پس تم اس میں خوش رہو۔ جب فرشتوں کا ذکر آتا ہے تو لوگ اگلے جہان کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ فرشتے اسی دنیا میں نازل ہوتے ہیں۔ اپنی زندگی میں فرشتوں کے نازل ہونے کی دعا بھی اللہ سے مانگا کریں۔

لیکچر کے آخر میں حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ:

''پس جس دل میں یہ خواہش مکالمہ اور مخاطبہ یقینی طور پر نہ ہو وہ ایک مردہ دل ہے''۔ اگر ایسا ہی ہے تو اللہ تعالیٰ ہمارے اس مردہ دل کو زندگی عطا فرمائے اور ہمیں اس لیکچر میں جو سبق ہے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ورنہ 110 سال گذر گئے ہیں باقی بھی گذر جائیں گے۔

اپیل برائے سیلاب زدگان

آج اس موقع پر آپ سب کی توجہ ملک کے حالات کی طرف دلاتا ہوں ملکی حالات میں بہتری کے لئے خصوصی دعائیں کریں۔ آج کے دن میں سیلاب زدگان کی مدد کے لئے آپ سب سے اپیل کرتا ہوں مشکل کی اس گھڑی میں ہمارا فرض بنتا ہے کہ انکی بڑھ چڑھ کر مدد کریں کہ وہ بھی ہمارے بھائی ہیں، ہم مل کر اپنی جماعت کی طرف سے ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

''اِن مَردانِ خدا کی یاد مجھے ستاتی ہے''

حضرت مولانا صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ (امیر دوم، جماعت احمدیہ لاہور)

حضرت مولانا محمد علیؒ مرحوم ومغفور کے ساتھ میرا تعلق ۱۹۰۵ء سے تھا اور پھر ۱۹۰۹ء سے یہ تعلق بہت گہرا ہوگیا۔ وہ اس طرح سے ہوا کہ حضرت مولانا نورالدینؒ مرحوم ومغفور کے حکم سے وہ ایک وفد بنا کر لاہور میں میرے پاس تشریف لائے۔ جس وفد میں ان کے علاوہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب، حضرت شیخ رحمۃ اللہ صاحب، حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب بھی شامل تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت مولانا نورالدینؒ (مرحوم ومغفور) چاہتے ہیں کہ آپ کالج کی ملازمت ترک کر کے قادیان چلے آئیں۔ اس پر جب میں نے لبیک کہی تو یہ وفد میرے پرنسپل صاحب مسٹر نولٹن کے پاس گیا اور پھر ڈاکٹر مسٹر گاڈلے کے پاس گیا اور معاملہ طے ہوگیا۔ میرا قادیان جانا انگریزی قرآن مجید کے سلسلہ میں تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جو صدر انجمن خود اپنے سامنے اپنی زیر ہدایت قائم کی تھی اس کے پہلے سیکرٹری حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم ومغفور تھے اور مدرسہ کے منتظم بھی وہی تھے اور ترجمۃ القرآن کا کام یکسوئی چاہتا تھا، میرے قادیان پہنچنے پر اُن کے یہ بوجھ میں نے اپنے کندھوں پر اُٹھا لئے اور ان کو یکسوئی میسر آ گئی۔ ہم دونوں میں اخوت تامہ تھی اور ہم نے پانچ سال مل کر قادیان میں بسر کئے۔ اس دوران قادیان میں پچاس ایکٹر زمین پر ایک عالی شان مدرسہ اور بورڈنگ اور مسجد تعمیر ہوئی۔ یہ کام بھی ہم دونوں کی سعی کا نتیجہ تھا۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں جب حضرت مولانا صاحب مرحوم ومغفور نے قرآن کریم کا ترجمہ قریباً قریباً مکمل کر لیا تو حضرت مولانا نورالدینؒ صاحب مرحوم ومغفور کا وصال ہوگیا۔ اس پر اختلاف رونما ہوگیا اور ہم دونوں قادیان کی رہائش کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوگئے اور لاہور میں آ کر سکونت اختیار کی چونکہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم ومغفور دو سال کے بعد ولایت سے واپس آنا چاہتے تھے اس لئے راقم الحروف قادیان سے یہاں آ جانے کے دو ایک ہفتے بعد لندن کو روانہ ہوگیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد مولانا مرحوم نے انگریزی ترجمۃ القرآن طباعت کے لئے میرے پاس بھیج دیا۔ اور مجھے لکھ بھیجا کہ آپ کی موجودگی میں اس بات کی ضرورت نہیں کہ پروف میرے پاس آیا کریں۔ آپس میں ایک دوسرے پر اعتماد کا یہ عالم تھا کہ یہ بھی لکھ بھیجا کہ آپ کو اختیار ہے اس میں جو تغیر وتبدل مناسب ہو وہ کر لیا کریں۔ ان کو یہ علم تھا کہ میں زبان عربی بھی جانتا ہوں اور عربی سے اور حدیث کی شروح سے واقف ہوں۔ میں نے ان کے اس اعتماد کی قدر کی اور اس غیرت اور جذبہ عشق اور شدید محنت سے ان کی اس تصنیف کو ایڈٹ کیا۔ اور اس مقدس کام کو ایسا سرانجام دیا کہ حضرت مولانا صاحب مرحوم ومغفور گرویدہ ہوگئے اور اکثر اعتراف کیا کرتے تھے کہ طباعت میں بہت سی خوبیاں پیدا کر دی گئی ہیں اور قرآن کریم کے حسن باطنی کے ساتھ ظاہری ولربائی بھی کمال تک پہنچا دی گئی ہے۔ میں نے اس خیال سے کہ پہلے ایڈیشن کے ختم ہو جانے پر دوسری دفعہ اتنی محنت کا متحمل ہونا شاید مشکل ہو۔ سارے ترجمۃ القرآن کے بلاک بنوا لئے تھے۔ چنانچہ دوسرے ایڈیشن کے تیار کرنے کے لئے جب میں ولایت گیا تو ان بلاکوں کی برکت سے اکیس ہزار روپے انجمن کو بچ گئے اور نہایت سستے داموں دس ہزار نسخہ طبع ہوگیا۔ الغرض میرا اور حضرت مولانا مرحوم ومغفور کا تعلق کوئی معمولی تعلق نہ تھا اس لئے ان کے انتقال کے باعث مجھے بہت صدمہ ہوا۔ ان کے انتقال نے میرے دل میں میرے رفیقوں کی یاد تازہ کر دی۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اور بندہ ہندوستان بھر میں لیکچر دینے کے لئے اکٹھے جایا کرتے تھے۔ اور پھر ولایت میں ہم دونوں نے (بقیہ صفحہ نمبر 22)

شہید اور شہادت

قاری غلام رسول صاحب

ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اُنہیں مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم محسوس نہیں کرتے اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دو''۔ (البقرہ۔155)

ایک اور مقام پر ارشادِ خداوندی ہے:

ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُنہیں مُردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں، اس سے خوش رہتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا اور اُن کی وجہ سے (بھی) خوش ہوتے ہیں جو اُن کے پیچھے سے انہیں نہیں ملے کہ اُن کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں اور کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا''۔ (آل عمران۔169 تا171)

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کافر ہوئے اور اپنے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں جب وہ زمین میں سفر کرتے ہیں یا لڑائی کرتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے تا کہ اللہ اس کو ان کے دلوں میں حسرت بنائے اور اللہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کئے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی مغفرت اور رحمت یقیناً اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر جاؤ یا قتل کئے جاؤ تو یقیناً اللہ کی طرف ہی اکٹھے کئے جاؤ گے''۔

(سورۃ آل عمران۔156 تا158)

ترجمہ: ''بلاشبہ مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ یہ وعدہ اس پر لازم ہے توریت اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہے پس تم اس معاہدے پر جو تم نے اس سے کیا ہے خوش ہو جاؤ''۔ (سورۃ التوبہ 111 تا112)

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو کیا تمہیں ایسی تجارت بتا دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے، تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعہ سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو وہ تمہارے گناہوں سے تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور پاکیزہ مکانوں میں جو ہمیشگی کے باغوں میں ہیں یہ بڑی کامیابی ہے''۔

(سورۃ الصف:10 تا12)

ترجمہ: ''دونوں برابر نہیں مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے جن کو کوئی دُکھ نہیں اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے، اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے درجہ میں بزرگی دی ہے اور سب سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑا اجر دے کر بزرگی بخشی ہے''۔

(سورۃ النساء:۹۵)

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے بچاؤ کا سامان لے لیا کرو، پھر گروہ گروہ ہو کر نکلو یا اکٹھے نکلو اور تم میں سے وہ بھی ہے جو ضرور پیچھے رہ جاتا ہے۔ پھر اگر تم کو مصیبت پہنچے، کہتا ہے، اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔ اور اگر تم کو اللہ کی طرف سے فضل پہنچے تو بول اٹھتا ہے گویا کہ تم

میں اور اس میں کوئی دوستی نہ تھی ، اے کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا۔ سو چاہیے کہ وہ لوگ اللہ کے راستہ میں جنگ کریں جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے، پھر قتل کیا جائے یا غالب آجائے تو ہم اس کو جلد بڑا اجر دیں گے اور تمہیں کیا (عذر) ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں جنگ نہ کرو اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی ولی بنا اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی مددگار بنا، جو ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پس تم شیطان کے مددگاروں سے جنگ کرو۔ شیطان کی جنگ یقیناً کمزور ہے۔ کیا تم نے ان (کے حال) پر غور نہیں کیا جن کو کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو پھر جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اور بولے اے ہمارے رب تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کی اور ہمیں تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی۔ کہہ دو دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت اس کے لئے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرے اور تم پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ تم جہاں کہیں ہو گے موت تمہیں آئے گی ۔ خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو اور اگر ان کو بھلائی پہنچتی ہے کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو دکھ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں تیری وجہ سے ہے کہہ دو سب اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ بات سمجھنا ہی نہیں چاہتے ۔ جو بھلائی (اے انسان) تجھے پہنچتی ہے سو وہ اللہ سے ہے اور جو دُکھ تمہیں پہنچتا ہے تو وہ تیرے ہی نفس سے ہے اور ہم نے تجھے سب لوگوں کی بھلائی کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کافی گواہ ہے ۔ جو شخص رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ یقیناً اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور جو پھر جائے تو ہم نے تجھے ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ اور کہتے ہیں اطاعت (قبول ہے) پھر جب تیرے پاس سے نکلتے ہیں ان میں سے ایک گروہ رات کو اس کے خلاف مشورہ کرتا ہے جو تُو کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ لکھ لیتا ہے جو یہ راتوں کو مشورہ کرتے ہیں سو اُن کا کچھ خیال نہ کر اور اللہ پر بھروسہ کر اور اللہ کافی کارساز ہے"۔(سورۃ النساء71 تا81)

اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مسلمانوں کو اس بات کا رنج نہ ہوتا کہ میں ان کو چھوڑ کر خود جہاد پر نکل جاؤں اور مجھے خود اتنی سواریاں میسر نہیں کہ میں ان سب کو سوار کرا کر لے جاؤں تو میں کبھی کسی لشکر سے جو فی سبیل اللہ غزوہ کرے پیچھے نہ رہتا۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری تو خواہش ہے کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں"۔

(فضل الباری، شرح بخاری، جلد اوّل ص1183)

"جو جنگ خدا کے نام کو بلند کرنے کے لئے ہو رہی ہو وہی فی سبیل اللہ ہے"۔(بخاری)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شہید کا جسم رکھا گیا جس کا مُثلہ کیا گیا تھا ایک خاتون رونے لگی آپؐ نے فرمایا اس کو کہو مت روئے یہ جب سے شہید ہوا ہے فرشتے اس کو اپنے پروں کے سایہ میں لئے ہوئے ہیں"۔(بخاری)

"کوئی بھی ایسا نہیں جو جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں واپس آنا چاہے سوائے شہید کے، شہید کی تمنا ہوگی کہ دنیا میں واپس آئے اور بار بار راہِ خدا میں مارا جائے"۔(بخاری)

"جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے"(بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل افراد کو بھی شہید کا ہم مرتبہ قرار دیا ہے: (۱): طاعون میں مبتلا ہو کر فوت ہونے والا (۲): ڈوب کر مرنے والا (۳): پیٹ کی بیماری میں مرنے والا (۴): دب کر مرنے والا (۵): جو اپنے اہل وعیال اور مال کی حفاظت کرتا مارا جائے (۶): جو اپنے دین کی حفاظت کرتا مارا جائے"(بخاری)

"جو اللہ کی راہ میں مجاہد کا سامان تیار کرے یا مجاہد فی سبیل اللہ کی عدم موجودگی

(بقیہ صفحہ نمبر22)

آسمانِ احمدیت کا ایک درخشندہ ستارہ جو ڈوب گیا

ڈاکٹر عبدالوحید

قانون قدرت ہے کہ جو یہاں آتا ہے وہ ایک روز چلا بھی جاتا ہے۔ یہ جہاں سرائے فانی ہے۔ یہاں کسی کو دوام نہیں، احمدیہ انجمن لاہور کے چوتھے امیر اور صدر ڈاکٹر اصغر حمید M.A. Ph.D 14 اکتوبر 2002ء کو 3:00 بجے صبح اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔ یہ خبر آناً فاناً اندرون ملک تمام جماعتوں اور بیرون ملک تمام شاخوں میں پہنچ گئی اور جماعت کے تمام احباب وخواتین میں غم واندوہ، اضطراب اور بے چینی پیدا کردی۔ ہر ایک کی زبان پر ایک ہی کلمہ تھا۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جماعت احمدیہ لاہور اور حضرت امیر مرحوم کی اولاد کو اس سانحہ سے جو صدمہ پہنچا ہے وہ بہت بڑا ہے۔ اس کی تلافی ممکن نہیں۔ آپ تیسرے امیر و صدر مرحوم حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے وصال کے بعد 1996ء میں جماعت احمدیہ لاہور کے امیر منتخب ہوئے۔ آپ نے انتہائی نازک حالات میں جماعت کی باگ دوڑ سنبھالی اور 6 سال تک خون جگر سے جماعت کی آب یاری کی۔ آپ کے دور میں جماعت کو متحد رکھنا اور اس کو ترقی دینا انتہائی مشکل کام تھا۔ یہ آپ کا ہی حوصلہ عزم، مردم شناسی اور دور اندیشی تھی۔ جس نے جماعت کی رہنمائی کی۔ قرآن کریم، سنت نبویؐ اور احادیث مبارکہ سے ہر لحہ اور ہر آن رہنمائی حاصل کرنے کا نہ صرف مشورہ دیتے تھے بلکہ خود بھی ہر لحہ انہی کی روشنی میں فیصلے کرتے اور زندگی گذارتے۔ اور یہی ان کی کامیاب رہنمائی کا راز تھا۔ قرآن پاک اور حدیث کا مطالعہ کثرت سے کرتے تھے۔ جو بھی ان سے ملنے جاتا ان کی وسعت علمی سے فیض یاب ہو کر آتا۔ آپ کو جماعت کی مضبوطی، ترقی کی اس قدر فکر تھی کہ یہی ایک موضوع وہ اکثر احباب کے سامنے رکھتے اور سلسلہ کی ترقی کے لئے دن رات کوشاں رہتے اور دوسروں کو کوشاں رہنے کی تلقین کرتے۔

آپ کی وفات سے تحریک احمدیہ کو جو صدمہ پہنچا اُس کا بیان کرنا یا تمام دنیا میں پھیلے ہوئے جماعت کے ممبرؓان کو جو دُکھ پہنچا اس کا بیان کرنا یا ان کی سلسلہ کی خدمات کا ان کالموں میں احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ لیکن یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ ان جیسا مخلص اور سچا احمدی ثابت قدم اور حوصلے والا شخص، بے غرض اور بے لوث انسان، متواضع، منکسر المزاج اور محبوب لیڈر جماعت کو راہنمائی کے لئے دوبارہ ملنا ناممکن نہیں تو آسان بھی نہیں۔ مرحوم امیر ڈاکٹر اصغر حمید صاحب 1919ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ اپنی پرائمری اور ثانوی تعلیم اپنے آبائی شہر امرتسر میں حاصل کی۔ MAO ہائی سکول امرتسر سے 1933ء میں میٹرک پاس کیا۔ وہیں سے FSc پاس کر کے اعلیٰ تعلیم کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ 1937ء میں حساب میں آنرز کے ساتھ ڈگری حاصل کی اور 1939ء میں پنجاب یونیورسٹی سے حساب کے لیکچرر تعینات ہوئے۔ اور یہیں سے برطانیہ کی Adenberg یونیورسٹی سے حساب میں Ph.D کرنے کے لئے گئے۔ 1947ء میں آپ نے Ph.D مکمل کیا۔ 1961ء میں جب انجینئرنگ کالج لاہور کو یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا تو آپ کو شعبہ حساب کا Dean مقرر کیا گیا اور اس عہدہ پر آپ نے 1979ء تک کام کیا۔ آج پاکستان میں آپ کے لاتعداد شاگرد بہت اہم عہدوں پر فائز ہیں اور وطن عزیز کی خدمت کر رہے ہیں۔

ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی زندگی کو سلسلہ احمدیہ کے لئے مکمل طور پر وقف کر دیا۔ درس قرآن، خطبہ جمعہ اور پیغام صلح کے لئے لکھنا ان کا روزمرہ کا کام تھا۔ آپ نے مجدد دوراں مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی رحمتہ اللہ علیہ

(بقیہ صفحہ نمبر 23)

گاہے گاہے باز خواں۔۔۔۔۔

ڈاکٹر خورشید عالم ترین (سری نگر)

مولانا عبید اللہ سندھی اور احمدیت

مولانا عبید اللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ (۱۸۷۲ء تا ۱۹۴۴ء) کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ کا شمار برصغیر ہندو پاک کے جید علماء اور مفکرین میں ہوتا ہے۔ آپ نے ہندوستان کی جنگِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس سلسلہ میں سالہا سال وطن سے بے وطن ہوئے۔ مسلک کے لحاظ سے آپ دیو بندی تھے لیکن ہٹ دھرم، متخاصم اور متشدد نہ تھے۔ مروّج تنگ نظری، رجعت پسندی اور جمود آشنا فرسودہ ذہنیت سے سخت نالاں اور بیزار تھے۔ اُن کی یہ بیزاری کبھی کبھی افادات کا رنگ اختیار کر لیتی۔ خود فرماتے ہیں:

''دیکھو مجھے دیو بند سے کتنی محبت ہے اور میں کتنا سخت دیو بندی ہوں، میں مولانا قاسم اور حضرت شیخ الہندؒ کا نام لیتے نہیں تھکتا۔ مجھے ان بزرگوں سے بے حد عقیدت ہے اور میں اپنی علمی اور دینی زندگی کو انہیں کا فیض سمجھتا ہوں۔ اب میں دیکھ رہا ہوں کہ زمانہ بدل رہا ہے اور دیو بند کا نظامِ تعلیم اُسی فرسودہ ڈگر پر چل رہا ہے۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ موجودہ دیو بندی بعض لغویات میں مبتلا ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر یہی حالات رہے اور دیو بند میں ضروری اصلاح نہ ہوئی تو اس دار العلوم کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔

میں ان لغویات کے خلاف آواز اُٹھاتا ہوں جن کی زد اُن اشخاص پر پڑتی ہے۔ وہ اپنے مفادات کی خاطر مجھے دیو بند کا دشمن، گمراہ اور سر پھرا اقرار دیتے ہیں حالانکہ میں دیو بند کا بھلا چاہتا ہوں، اپنے استادوں کے لگائے ہوئے پودے کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس فیض علمی و دینی کو جاری و ساری رکھنے کا آرزو مند ہوں۔ میرے نزدیک ضروری اصلاحات کے بغیر یہ چیزیں ممکن نہیں''۔ (افادات وملفوظات۔ ص ۱۲۶)

حق پسندی اور حق گوئی کے معاملے میں مولانا سندھی رحمتہ اللہ علیہ کسی پس وپیش، مصلحت یا مسلکی دباؤ کو آڑے نہ آنے دیتے۔

پچھلے دنوں مولانا عبید اللہ سندھی کے سیاسی مکتوبات اور افادات و ملفوظات حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نامی دو کتابیں پڑھنے کا موقع ملا۔ سیاسی مکتوبات پروفیسر محمد اسلم، استاد شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی لاہور کی ہمت اور سعی کا نتیجہ ہے۔ اسلم صاحب کو اس کتاب کی طباعت واشاعت کے سلسلہ میں جن مشکلات و مزاحمتوں سے دوچار ہونا پڑا وہ خاصی حوصلہ شکن اور صبر آزما تھیں۔ پروفیسر موصوف کا بیان ہے کہ:

''مولانا سندھی کے خطوط سے یہ مُترَشّح ہوتا ہے کہ موصوف اپنے دل میں قادیانیوں اور خصوصاً لاہوری احمدیوں کے لئے ایک نرم گوشہ رکھتے تھے۔ انہوں نے ان خطوط میں حکیم نور الدین بھیروی اور مولوی محمد علی لاہور کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کا برملا اعتراف کیا ہے۔ بلکہ ایک موقع پر تو وہ یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ ہجرت سے قبل وہ مولوی محمد علی سے ملے تھے۔ اور اُن کے مشورے اب تک ان کے کام آ رہے ہیں۔۔۔۔

مولانا سندھی کے ان کے خطوط کی اشاعت ایک سرکاری ادارے نے منظور کر لی تھی لیکن اسی ''نرم گوشہ'' کی بنا پر اس ادارے کے سربراہ گھبرا گئے۔ آج بھی ایک دوست نے ایسے خطوط کو جن میں قادیانیوں کے ساتھ ملاقاتوں کا ذکر ہے گول کر جانے کا مشورہ دیا ہے لیکن میں مولانا سندھی کے خیالات پر قدغن لگانے کا حامی نہیں ہوں۔ گو میں ان کے خیالات سے متفق نہیں ہوں لیکن انہیں شائع نہ کرنا دیانتداری کے خلاف سمجھتا ہوں''۔ (مکتوبات ص۔۱۲)

پروفیسر اسلم کے جمع کردہ مکتوبات کو ''ندوۃ المصنفین، سمن آباد لاہور'' نے شائع کیا ہے۔ ''افادات و ملفوظات'' پروفیسر محمد سرور سابق استاد جامع ملیّہ اسلامیہ دہلی کی کاوشِ قلم کا نتیجہ ہے جس کو سندھ ساگر اکادمی لاہور نے چھاپا ہے۔ دونوں ہی کتابوں میں جابجا احمدیت کا ذکر ہے اس سے قبل کہ ہم اصل موضوع کی طرف آئیں ''مولانا سندھی '' کی تصنیفات، تحریرات اور ملفوظات کے بارے میں پروفیسر اسلم کا یہ نوٹ نقل کردینا ضروری سمجھتے ہیں۔

''مولانا سندھیؒ کی اب تک جتنی تصانیف شائع ہوئی ہیں وہ سب امالی ہیں۔ وہ خود بہت کم لکھتے تھے اور جب کوئی مضمون ذہن میں آتا تو وہ دوسروں کو املا کروا دیتے تھے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ وہ کسی مسئلہ پر اظہار کرتے تو سامع گھر جاکر اسے اپنے الفاظ میں قلمبند کرلیتا۔ اس لئے اُن کے ملفوظات بڑی احتیاط سے پڑھنے چاہئیں''۔

یہ بات مشہور ہے کہ مولانا سندھی کے بعض تلامذہ نے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے موصوف کا نام استعمال کیا ہے''۔ (مکتوبات سندھی۔ص ۱۱)

اس پس منظر میں وہ مقامات ملاحظہ ہوں جہاں مولانا سندھیؒ نے احمدیت اور بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا تذکرہ کیا ہے۔

مولانا سندھیؒ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے کسی بھی دعویٰ کے قائل نہ تھے اس کے باوجود آپ حضرت مرزا صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:

(الف) ''ایک صاحب سندھ میں مجھے ملے اور انہوں نے کہا تم جو اس عمر میں اتنی دُور دُور کی باتیں سوچ رہے ہو، کیا ان کے ہونے کا کوئی امکان بھی ہے ۔۔۔۔ میں نے جواب دیا ابھی کل کی بات ہے یہیں مرزا غلام احمد تھے ان کے زمانے میں مسلمانوں کی چند ضرورتیں تھیں اور اُس دور کے کچھ تقاضے تھے۔ مرزا غلام احمد نے قرآن اور اسلام کی خاص طرح سے تعبیر کرکے انہیں پورا کیا۔ انہوں نے قادیان میں ایک مدرسہ بنایا۔ لنگر خانہ کھولا، اور لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کیا۔ آج تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ ان کی ایک جماعت ہے اور وہ کام کررہی ہے۔ اس کا خاصا اثر بھی ہے ۔۔۔ کیا تم سمجھتے ہو شاہ ولی اللہ کی تعلیمات مرزا غلام احمد کی تعلیمات سے بھی کم موثر اور کم دُور رس ثابت ہوں گی۔ میرا کام تو صرف شاہ صاحب کی تعلیمات کا تعارف کرانا ہے۔

(افادات و ملفوظات ص ۱۸۸۔۱۸۹)

مطلب یہ کہ حضرت مرزا صاحب جس کام کے لئے مبعوث ہوئے تھے اسے پورا کرکے ہی واپس لوٹے۔ نیز یہ کہ آپ کی پیدا کردہ جماعت آج بھی دین کی بے لوث اور موثر خدمت انجام دیئے جارہی ہے۔ میرے خیال میں ایک ایسے (دیوبند) عالم سے جو مرزا صاحب کے دعاوی کا سرے سے ہی انکاری ہو۔ اس سے بڑھ کر داد تحسین ممکن نہیں۔

(ب) امام مہدی کے آنے کا ذکر کتابوں میں تو صدیوں سے ہی چلا آرہا ہے۔ سید احمد (بریلوی۔ ناقل) صاحب کے دعویٰ مہدیت کے بعد امام مہدی کا عوام میں بھی بڑے زوروں سے چرچا ہونے لگا۔ انگریز اس سے ڈرنے لگے کیونکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جب امام مہدی آئیں گے تو تمام کافروں کا صفایا ہوجائے گا۔ مسلمان پہلے کی طرح سب پر غالب آئیں گے اور تمام دنیا پر ان کی حکومت ہوگی ۔۔۔۔

سید احمد صاحب کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ **دوسری طرف انگریز کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ کوئی اور مہدی بن کر ان کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکا وے گا۔ ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو اس گو برکھ دھندے سے نکالا جاتا۔** سرسید نے امام مہدی کے آنے کے بارے میں روایات کی تنقید کی۔ اور ثابت کیا کہ مہدی کے آنے کا عقیدہ بے سروپا اور غلط ہے چنانچہ اب مسلمانوں کو کسی مہدی کے آنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔

اس قسم کے روایاتی ماحول اور امام مہدی کے انتظار کی فضا میں حضرت مرزا غلام احمد نے مہدی کے آنے اور نزول مسیح کے عقیدے پر بحث کی۔ اب بجائے اس کے کہ وہ سرسید کی طرح ان روایات کو موضوع قرار دیتے جیسی کہ وہ ہیں وہ خود مہدی اور مسیح بن گئے''۔ (ایضاً۔ص ۳۵۱)

اس مقام پر پروفیسر محمد سرور مولانا سندھی کا یہ جملہ بھی لائے ہیں:

''میں امام یا مہدی کے القاب کا سخت مخالف ہوں ۔ اس طرح کے القاب سے انسان کے دماغ میں اپنے بارے میں کچھ زعم سا آ جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو دوسروں سے فائق و برتر سمجھنے لگتا ہے۔ (ایضاً ص ۳۵۰)

ان عبارتوں سے پروفیسر سرور غالباً یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مہدویت و مسیحیت خود ساختہ تھا۔ اس کے پیچھے ان کا جذبہ تفوق و سیادت کارفرما تھا۔ اس ضمن میں ہندو پاک کے مایہ ناز انشاء پرداز، زبردست نقاد اور متعدد مذہبی، علمی اور ادبی کتب کے مصنف علامہ نیاز فتحپوریؒ کا یہ اقتباس قابلِ دید ہے۔ لکھتے ہیں:

''انہوں نے جس وقت احمدیت کی تبلیغ شروع کی اسی وقت صاف صاف کہہ دیا کہ ان کا مقصود اس تحریک سے صرف عملی تعلیمات (دینیہ) کو زندہ کرنا ہے۔ اور اس مقصود کی تکمیل میں دن رات منہمک ہے۔ آپ کو غالباً اس سے انکار نہ ہوگا کہ اس تحریک کے سلسلہ میں انہیں کن کن مصائب کا مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن کبھی ہمت نہیں ہاری اور آخر کار اُن کا جذبہ خلوص اور صداقت کامیاب ہو کر رہا۔

مجھے سخت حیرت ہوتی ہے کہ لوگ مرزا صاحب کو بُرا کہتے ہیں صرف اس بنا پر کہ انہوں نے مہدی موعود، مثیل مسیح اور ظلی نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور کبھی اس کا اعتراف نہیں کرتے کہ انہوں نے کیسی زبردست باعمل جماعت پیدا کر دی''۔ (ماہنامہ ''نگار'' لکھنو بابت اپریل ۱۹۴۱ء)

اس عنوان کے نیچے پروفیسر سرور کا وہ سوال ہے جو انہوں نے مولانا سندھی سے پوچھا تھا:

''یہ جو کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب انگریزوں کے ساختہ پرداختہ ہیں اور جیسا کہ غالباً خود انہوں نے کہا ہے کہ میں انگریزوں کا خود ساختہ پودا ہوں اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟''۔

اس کے جواب میں مولانا سندھیؒ نے پہلے تو مفتوح اقوام کے اس مذہبی کٹر پن کی وضاحت کی جو فاتح قوم کی حکومت کے دوام واستحکام کی راہ میں مزاحم بنتا ہے اور پھر فرمایا:

''اسی زمانے میں سرسید پیدا ہوئے۔ اُن کی دُوررس نگاہ نے دیکھ لیا تھا کہ برطانوی حکومت آنی جانی چیز نہیں۔ وہ ایک طویل عرصے تک برسرِ اقتدار رہے گی اس لئے اگر مسلمانوں کو اسی ملک میں عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنا ہے تو انہیں لازماً انگریزوں سے تعاون کرنا چاہیے۔ اس وقت اس کی پہلی شرط یہ تھی کہ انگریزوں کے طور طریقوں کو مذہبی نقطہ نظر سے جو اس قدر مردُود اور خلافِ اسلام سمجھا جاتا تھا، یہ تعصّب دُور ہو۔ چنانچہ سرسید نے اسے دُور کرنے کی دعوت دی (یاد رہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اس قسم کا کوئی سمجھوتا روا نہ رکھا ۔ ناقل) یہ سرسید کا ذاتی فکر تھا اور خود ان کے غور و تدبر کا نتیجہ، لیکن سرسید کا یہ اقدام برطانوی حکومت کے لئے مفید تھا۔۔۔''

اب یہ کہنا کہ سرسید انگریز کے آدمی تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو انگریزوں کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ ٹھیک نہیں ہے۔ اُن کا اپنا ایک مستقبل فکر تھا۔ وہ اُسے اسی زمانے میں مسلمانوں کے لئے مفید سمجھتے تھے۔ اتفاق سے اس فکر سے انگریزی حکومت کو وقتی طور پر تقویت ملتی تھی۔۔۔۔

مولانا نے اس الزام کی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا:

''خریدے ہوئے لوگ تحریکوں کے بانی نہیں ہوتے جو شخص دوسرے کے ہاتھ میں بک سکتا ہے وہ کسی تحریک میں جان پیدا نہیں کر سکتا۔ ایک تحریک میں جان وہی ڈالتا ہے جس کے خود اندر سے اس تحریک کے لئے جذبہ اُٹھتا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ان افراد کے اردگرد ایسے لوگ جمع ہو جائیں جو بکے ہوئے ہوں اور بانی تحریک بھی غیر شعوری طور پر ان کے خیالات کا اثر لے لے اور ان کے دام میں پھنس جائے۔

سرسید نے اس مذہبی کٹر پن کو توڑنے کے لئے دلیل و برہان اور مشاہدہ و تجربہ کو ذریعہ بنایا۔۔۔ مرزا صاحب نے اس کے لئے مذہب ۔۔۔ سے کام لیا۔۔۔ حضرت مرزا صاحب کی اس تحریک کے پیچھے ایک راز بھی تھا۔ آپ کی روحانی آنکھ کو مستقبل کا وہ نظارہ کروایا گیا تھا جس کی خالی جھلک پالینا بھی مادی

آنکھ کے لئے ممکن نہیں۔ ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں ہی خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو خبر دی تھی۔

''سلطنت برطانیہ تا ہشت سال'' دونوں کے سامنے اجنبی حکومت کے خلاف مسلمانوں میں جو مذہبی وقومی تعصب تھا اس کی وجہ سے ان کو جو نقصان پہنچ رہا تھا اور آگے چل کر اس سے مزید نقصان پہنچنے کا جو اندیشہ تھا اُسے دُور کرنا تھا۔۔۔''

اس موضوع پر ''مکتوبات'' میں بھی بحث ملتی ہے وہاں مولانا سندھیؒ رقمطراز ہیں۔

''دوقسم کے مسلمان عالم ہیں۔ایک سیاسی طاقت ہاتھ میں لینا اسلام کی اشاعت کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ مانا کہ وہ ناکام ہوئے ہیں مگر قابلِ ملامت نہیں۔ دوسرے محض وعظ و تبلیغ سے تمام کامیابی کی امید رکھتے ہیں۔انہیں اپنا کام کرنے سے کوئی نہیں روکتا۔''

سرسید نے مسلمانوں میں سیاسی جدوجہد کے لئے نئی تعلیم رائج کرنے کے لئے ۔۔۔مسلمانوں میں اشاعت اسلام کے لئے بیداری پیدا کرنے کے لئے قادیان کے بزرگوں نے انگریزوں سے اتحاد بنایا۔۔۔آپ جانتے ہیں کہ قرآن شریف مولانا ابوالکلام نے بھی پڑھا ہے اوران کی سیاسی جدوجہد بھی غالباً قرآن کے احکام کی تعمیل میں ہوگی۔انہیں ہندوؤں سے اتحاد کرنا پڑتا ہے، میں بھی اگر اس سلسلہ میں اپنا نام داخل کردوں تو میرے نزدیک مثلاً روس سے اتحاد ضروری ہے۔اب اگر کوئی جماعت اسی مقصد کے لئے انگریزوں سے اتحاد کرتی ہے تو ان پر کیا الزام عائد ہوسکتا ہے۔ایک مقصد کے لئے مختلف نظریات پر لوگ کام کررہے ہیں۔ ہر ایک کو کام کرنے کا موقع دینا چاہیے۔خدا جانے کس طریق سے کامیابی ہوتی ہے۔۔۔۔(ص ۵۱۔۵۲)

(۲) حکیم الامت علامہ نورالدین رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر اسلم نے ان کے متعلق یہ فٹ نوٹ دیا ہے:

''حکیم نورالدین بھیروی (م ۱۹۱۴ء) مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفہ اوّل تھے۔ان کی وفات پر قادیانی جماعت دوحصوں میں بٹ گئی۔مولانا سندھیؒ انہیں بہت بڑا عالم سمجھتے تھے اور ہجرت سے قبل ان سے قادیان جاکر ملے تھے''۔(مکتوبات ص ۴۵)

مولانا سندھیؒ کی ملفوظات میں حضرت علامہ نورالدین کا متعدد جگہ ذکر ملتا ہے۔چند اہم اقتباس حاضر ہیں:

''بعض دفعہ لوگ مولانا سندھیؒ سے جب وہ حرم کعبہ میں بیٹھے ہوتے کچھ بے ڈھب سے سوال بھی کر بیٹھتے تھے۔باتوں باتوں میں مولانا نے ایک بار فرمایا کہ حکیم مولانا نورالدین بہت بڑے عالم قرآن تھے۔حاضرین میں سے ایک صاحب غصے میں آگئے اور بڑے ناراض ہوکر کہنے لگے کہ مولانا! وہ تو قادیانی تھے۔مولانا مسکرائے اور بڑے تحمل سے کہا کہ میں نے کب کہا ہے کہ حکیم نورالدین قادیانی نہ تھے۔میں نے جو بات کہی ہے وہ تو صرف اتنی ہے کہ وہ بہت بڑے عالم قرآن تھے''۔(ص ۳۳)

''دوسرے دن میں نے مولانا کے مکان پر اُن سے حکیم نورالدینؒ کے بارے میں مزید تفصیل چاہی۔فرمانے لگے کہ میں حکیم صاحب سے قادیان متعدد بار ملا۔واقعی وہ بہت بڑے عالم قرآن تھے۔میں تم سے کہوں ہندوستان سے باہر میں کئی اسلامی ملکوں میں رہ چکا ہوں اور یہاں مکہ معظمہ میں مختلف ملکوں سے بڑے بڑے مسلمان علماء آتے رہتے ہیں۔مجھے ان سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔میں کہتا ہوں کہ میں نے آج تک علوم قرآن کا اتنا بڑا عالم نہیں دیکھا جتنے حکیم نورالدین تھے۔''(ص ۳۴)

''ڈاکٹر فضل الرحمٰن سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد نے بتایا کہ ایک دفعہ مولانا سندھی ہمارے مکان واقع چوبرجی لاہور میں آکر رہے۔ ڈاکٹر صاحب کے والد مولانا شہاب الدین اور مولانا سندھی ایک ہی زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں تھے اور دونوں میں کافی دوستی تھی۔دونوں بزرگ ایک دفعہ ایک ساتھ حکیم نورالدین صاحب سے ملنے قادیان گئے تھے''۔(ص ۱۲۷)

''نیز یہ عقیدہ کہ قرآن کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں حکیم نورالدین کا تھا اور مولانا سندھیؒ کا بھی یہی عقیدہ تھا''۔(ص ۳۲۶)

(بقیہ صفحہ نمبر 23)

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کے قبولِ احمدیت کی سرگذشت

ان کے اپنے قلم سے

۷نومبر۱۹۳۳ء کو ''پیغام صلح'' کا ایک ''قبول احمدیت'' نمبر شائع ہوا تھا۔ جس میں دیگر احباب کے علاوہ حضرت امیر مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنے قبول احمدیت کی سرگذشت خود لکھی تھی ۔ یہ سرگذشت ذیل میں ہدایہ قارئین کرام ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کے متعلق مجھے سب سے پہلے اپنے عزیز دوست اور ہم جماعت منشی عبدالعزیز دہلوی پنشنر ہیڈکلرک سے علم ہوا، میں اور میرے بڑے بھائی عزیز بخش صاحب رندھیر کالج کپورتھلہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔اور وہیں یہ ہمارے عزیز دوست بھی تعلیم حاصل کرتے تھے جنہیں محبت سے ہم بھائی جان کہا کرتے تھے

۱۸۹۰ء میں ہم دونوں بھائی انٹرنس پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوگئے اور یہیں حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کے متعلق علم ہوا۔۱۸۹۱ء کے موسم گرما کی تعطیلات میں جب ہم گھر آئے ہوئے تھے تو ''بھائی جان'' سے ملاقات کے لئے کپورتھلہ گئے جنہوں نے کتاب ''ازالہ اوہام'' دی جو انہی دنوں شائع ہوئی تھی۔

کتاب ازالہ اوہام کا مطالعہ

واپسی پر راستہ میں ہماری ملاقات اپنے ایک سابق استاد مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم سے ہوئی جنہوں نے اس کتاب کو ہمارے ہاتھ میں دیکھ کر بہت خفگی کا اظہار کیا کہ اس سے انسان کافر ہوجاتا ہے۔ہم نے عرض کیا کہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں اگر اس میں کوئی بات خلاف اسلام ہوگی تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔

گھر پہنچنے پر ہم دونوں بھائیوں اور ہمارے والد مرحوم حافظ فتح الدین صاحب نے اس کتاب کو پڑھا اور ہم تینوں اس کتاب کو پڑھ کر اس بات پر متفق ہوگئے کہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے وہ درست ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں اور حضرت مرزا صاحب اپنے دعوے میں سچے ہیں۔

حضرت اقدس کی نیک شہرت

والد مرحوم حافظ قرآن ہونے کے علاوہ کچھ عبور دینی کتب پر بھی رکھتے تھے۔اور اسی وجہ سے ہمارے گھر میں اکثر دینی چرچا رہتا تھا۔اور والد مرحوم کا ہی اثر تھا کہ ہم دونوں بھائیوں کو جب سے ہوش سنبھالا نماز کے ساتھ ایسا شغف تھا کہ کپورتھلہ میں طالب علمی کے ایام میں پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔

قادیان اور ہمارے گاؤں ''مراڑ'' کا فاصلہ براہ راست کچھ زیادہ نہ تھا شاید بیس میل ہوگا۔اور حضرت مرزا صاحب کی شہرت ان اطراف میں نہایت نیک تھی۔اور لوگ یہ جانتے تھے کہ قادیان میں ایک بہت بڑے بزرگ ہیں جو مستجاب الدعوات ہیں اور زہد اور عبادت اور علم میں بے نظیر انسان ہیں۔والد مرحوم کو ان حالات کا خوب علم تھا اور سب سے پہلا اثر جو حضرت مرزا صاحب کے قبول کرنے میں ہمارے لئے موجب کشش ہوا وہ یہی آپ کی نیک شہرت تھی۔

پہلی فیصلہ کن بات

آج جو بہت لوگ احمدیت کی طرف سے بے اعتنائی برتتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے بہت سے مباحث میں سے گذرنا اور بہت سے پیچیدہ مسائل کی واقفیت ضروری ہے۔کم سے کم ہم تینوں کو ایسی کوئی

ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ہمارے لئے پہلی فیصلہ کن بات تو یہی آپ کی پاک اور نیک زندگی تھی۔ خود قرآن کریم نے آنحضرت صلعم کی صداقت پر اس بات کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ ''اس سے پہلے بھی میں نے تمہارے اندر ایک عمر گذار ہے پھر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے'' (سورۃ یونس آیت نمبر 16) آپ کی پہلی زندگی کوئی گمنام زندگی نہ تھی۔ آپ کے اتقاء، امانت، دیانت کی وجہ سے دل آپ کے سامنے جھکے ہوئے تھے۔ یہ مسلم تھا کہ آپ نے جھوٹ کبھی نہیں بولا۔ ان لوگوں تک کو یہ اعتراف تھا جو بعد میں آپ کے سخت ترین دشمن ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو جب کسی بلند مرتبہ پر کھڑا کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے تیاری یہی ہوتی ہے کہ پہلے قلوب پر اس کی نیکی، اتقاء، زہد، اعلیٰ اخلاق، صداقت، خدمت خلق ان سب چیزوں کا اثر ہوتا ہے اور وہ دنیا میں ایک نیک اور عظیم الشان شہرت کا مالک ہوتا ہے۔ اس کی اسی سنت کے مطابق حضرت مرزا صاحبؒ مسیح موعود کے مقام پر فائز ہونے سے پہلے نیکی، زہد، تقویٰ اور علم میں عظیم الشان شہرت رکھتے تھے۔ آپ ایک گمنام آدمی نہ تھے کہ اس ذریعہ سے شہرت حاصل کرنے کی آرزو ہوتی۔ میں اور بہت سے احباب کو جانتا ہوں جن کو پہلی بات آپ کی طرف کھینچنے والی یہی آپ کی پہلی زندگی تھی۔ آپ کے علم اور آپ کے بلند اخلاق اور آپ کے زہد اور آپ کی سچائی کی ایک عام شہرت تھی اور یہی وہ چیز تھی جس نے والد مرحوم اور ہم دونوں بھائیوں کے دلوں پر آپ کی صداقت کا پہلا اثر ڈالا۔

علمی باتیں بھی مشکل نہ تھیں

علمی باتیں بھی اتنی مشکل نہ تھیں اور فی الحقیقت مشکل نہیں والد مرحوم کو بلاشبہ دینی واقفیت بہت زیادہ تھی۔ اور ہم دونوں بھائی ابھی کالج کے طالب علم تھے۔ لیکن اس موٹی بات کا سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ کہ قرآن شریف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ اس بارے میں کھلی اور واضح آیات ازالہ اوہام میں حضرت صاحب نے پیش کی تھیں جن سے ادنیٰ شُبہ بھی اس بات میں باقی نہیں رہ جاتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے۔ یہی قبول احمدیت کا بنیادی پتھر ہے اور قرآن شریف کی حکومت کے سامنے سر جھکانے والا اَن پڑھ آدمی بھی ہو تو اس کا سمجھ لینا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

قبول احمدیت کا دوسرا مرحلہ

دوسرا مرحلہ قبول احمدیت کا حضرت مسیح کا نزول ہے۔ اس کے لئے بھی بہت علم کی ضرورت نہیں۔ آج ایک ایک مسلمان بچہ جانتا ہے کہ اس امت میں مسیح کے نازل ہونے کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور معتبر سے معتبر احادیث اس بارے میں موجود ہیں جن کو بخاری اور مسلم نے قبول کیا ہے۔ اب اگر بنیادی پتھر رکھا جا چکا ہے اور ایک شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو تسلیم کر چکا ہے تو دوسرا مرحلہ بھی نہایت آسان ہے۔ احادیث میں جس مسیح کے آنے کی خبر ہے وہ کون ہے؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو انبیائے بنی اسرائیل میں گذر چکے ہیں۔ وہی خود آئیں گے؟ نام سے یہی دھوکا لگتا ہے لیکن وفات مسیح کو مان لینے کے بعد دو باتوں میں سے ایک بات کے ماننے سے چارہ نہیں۔ یا یہ کہ آنے والا مسیح اس امت کا کوئی مجدد ہے اور یا یہ کہ وہ احادیث جن میں مسیح کے نزول کا ذکر ہے وہ سب کی سب جھوٹی ہیں۔ شق ثانی ایسی ہے جس کو کوئی مسلمان جس کے دل میں حدیث نبویؐ کا احترام ہے مان نہیں سکتا۔ ورنہ حدیث کے سارے مجموعہ ہی کو پھینکنا پڑتا ہے۔ اس لئے شق اول کے ماننے سے چارہ نہیں۔ یعنی اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں تو یہ یقینی بات ہے کہ اس امت کا کوئی مجدد نزول مسیح کی پیشگوئیوں کا مصداق ہے۔ افسوس ہے کہ اکثر لوگ ان امور کی طرف لاپروائی برتتے ہیں۔ وہ غور ہی نہیں کرتے۔ اپنی توجہ کو اس طرف لگاتے ہی نہیں ورنہ اس بات کا سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا فوت ہوگئے ہوگئے اگر فوت ہوگئے تو کیا وہ احادیث سچی ہیں یا جھوٹی جن میں نزول مسیح کا ذکر ہے اگر سچی ہیں تو کیا اس امر کے ماننے کے سوائے چارہ ہے کہ اسی امت کا کوئی مجدد ان پیشگوئیوں کا مصداق ہوگا؟

ختم نبوت

اس سوال کے حل کرنے میں اور بھی بعض باتیں ہمارے سامنے فوراً آجاتی ہیں۔ قرآن شریف اس بات کی صراحت ہے اور تمام مسلمان اس بات

پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں یعنی آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نبی اس صورت میں آسکتا ہے کہ نبوت کو کچھ کام باقی ہو۔لیکن اگر نبوت کا کام باقی ہو تو ختم نبوت کا عقیدہ غلط ہے کیونکہ ختم نبوت کا عقیدہ یہ چاہتا ہے کہ نبوت کا کام تکمیل کو پہنچ گیا ہو اور اگر ختم نبوت کا عقیدہ صحیح ہے تو نبوت کا کام ختم ہو چکا اور اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔خواہ وہ پہلے کا نبی بنا ہوا ہو یا بعد میں بنے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس دنیا میں کسی نبی کا آنا ممتنع ہے۔آپ کے بعد صرف مجددوں کا کام باقی ہے۔اس لئے مجدد ہی آسکتے ہیں،نبوت کا کام نہیں اس لئے نبی نہیں آسکتا۔

دو جداگانہ حلیئے

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح احادیث میں حضرت مسیح اسرائیلی اور آنے والے مسیح کے دو الگ الگ حلیئے دیئے ہیں اگر وہی مسیح آنے والا ہوتا تو حلیہ کس طرح الگ ہوتا۔حضرت مسیح اسرائیلی کا حلیہ سفید، گھنگریالے بالوں والا دیا ہے۔ آنے والے مسیح کا حلیہ گندم گوں رنگ،سیدھے بالوں والا دیا ہے۔

تیسرا مرحلہ

تیسرا مرحلہ اس سوال کے حل کرنے میں یہ تھا کہ اگر یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے اور یہ بھی صحیح ہے کہ آنے والا مسیح اسی امت کا کوئی مجدد ہونا چاہیے تو پھر کیا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی وہ مسیح ہیں یا ہمیں کسی اور کا انتظار کرنا چاہیے۔یہ مرحلہ بھی صاف تھا۔آپ کا مجدد ہونا مسلم ہو چکا تھا۔آپ کی صداقت اور راستبازی پر کوئی حرف رکھنے والا نہ تھا۔تو جس شخص نے کبھی انسان پر جھوٹ نہیں بولا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے۔چہ جائیکہ مجدد پر ایسا گمان کیا جائے۔جب وہ کہتا ہے کہ خداتعالیٰ نے مجھے ان پیشگوئیوں کا مصداق اور اس امت کا مسیح بنا کر بھیجا ہے تو یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔علاوہ ازیں جس شخص پر اتنی بڑی حقیقت منکشف ہوئی۔جس کو اللہ تعالیٰ نے وہ راز بتا دیا جو اتنی مدت سے دوسرے لوگوں پر ظاہر نہ ہوا تھا۔جس کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کی ان پیشگوئیوں پر مطلع کیا اس سے بڑھ کر اور کون مصداق ان پیشگوئیوں کا ہو سکتا ہے۔اور سچ بھی یہی ہے کہ جب پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آتا ہے تب ہی اس کی حقیقت پر بھی لوگوں مطلع کیا جاتا ہے۔اگر اس پیشگوئی کا مصداق نہ آ گیا ہوتا تو اس کی حقیقت کا انکشاف بھی ابھی نہ ہوتا۔

دعویٰ نبوت سے انکار

یہ ان چند موٹی موٹی باتوں کا ذکر میں نے کیا ہے۔جو والد صاحب مرحوم اور ہم دونوں بھائیوں کے فیصلہ کرنے میں ہمارے لئے معاون ہوئیں۔یہ باتیں اس قدر واضح تھیں کہ ہم تینوں بیک وقت ازالہ اوہام کے مطالعہ کے بعد ایک ہی فیصلہ پر پہنچے۔اور دل سے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے قائل ہو گئے۔آپ کے دلائل کو دیکھ لینے کے بعد ایک لحہ کے لئے بھی آپ کی صداقت میں شک نہیں ہوا۔لیکن با ایں ہم تینوں میں سے کوئی بھی حضرت صاحب کی بیعت میں داخل نہیں ہوا۔اس کے بعد جب حضرت مسیح موعودؑ ۱۸۹۲ء میں لاہور تشریف لائے جہاں مولوی عبدالحکیم کے ساتھ مناظرہ ہوا۔جس میں آپ کی اس تحریر پر مباحثہ ختم ہو گیا کہ آپ کا دعویٰ نبوت کا نہیں بلکہ آپ نے لفظ نبی صرف اپنے لغوی معنی یعنی محدث کے معنی میں استعمال کیا ہے۔اور کہ باوجود اس تشریح کے بھی یہ لفظ مسلمان بھائیوں کو ناگوار گذرتا ہو تو وہ اسے کٹا ہوا سمجھ کر اس جگہ لفظ محدث سمجھ لیں۔اس وقت ہم دونوں بھائیوں نے حضرت مسیح موعود کی زیارت کی اور آپ کی صداقت پر ہمارا یقین اور بھی بڑھ گیا۔

خواجہ کمال الدین مرحوم سے ملاقات

۱۸۹۴ء میں بی اے پاس کرنے کے بعد اور ان ایام میں جب میں ایم اے کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور مولوی عزیز بخش صاحب ٹریننگ کالج میں چلے گئے تھے۔میں اسلامیہ کالج میں پروفیسر ریاضی ہو گیا۔اور اسی وقت سے میری ملاقات میرے مکرم دوست خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کے ساتھ ہوئی جو میری طرح ایم اے میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور اسلامیہ کالج لاہور میں

پروفیسر بھی تھے ۔ خواجہ صاحب مرحوم حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہو چکے تھے اور میں ابھی تک داخل نہ ہوا تھا لیکن خیالات میں اس قدر یگانگت تھی کہ ہمارے تعلقات محبت بہت ترقی کر گئے ۔ ان ایام میں مَیں اخبارات میں بعض مضامین بھی حضرت صاحب کی تائید میں لکھتا تھا ۔ گو ابھی تک بیعت نہ کی تھی ۔

سفر قادیان اور بیعت

خواجہ صاحب کے ساتھ ان تعلقات میں دو اڑھائی سال گذر جانے کے بعد انہوں نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ان کے ساتھ قادیان چلوں اور حضرت صاحب کی زیارت کروں ۔ چنانچہ مارچ ۱۸۹۷ء میں خواجہ صاحب کے ساتھ (کچھ اور بھی احباب ساتھ تھے) قادیان گیا ۔ قادیان کے دو چار دن کے قیام نے ہی ایک نیا عالم آنکھوں کے سامنے کھول دیا ۔ گو آپ کی تحریروں سے بھی آپ کا وہ درد ظاہر ہوتا تھا جو اسلام کی ترقی کے لئے آپ کے دل میں تھا ۔ اور آپ کے خدمت اسلامی کے جذبہ کی جھلک آپ کے ہر لفظ میں نظر آتی تھی مگر صحبت میں رہ کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ کا دن رات کا شغف سوائے اس کے کچھ ہے ہی نہیں ۔ نماز فجر ہوئی تو بیٹھ گئے ۔ اعلائے کلمتہ اللہ کا ذکر ہے ۔ تھوڑی دیر بعد سیر کو نکلتے ہیں تو سارے راستہ میں یہی گفتگو ہے ۔ واپس آتے ہیں کھانے پر احباب کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو یہی ذکر ہے ۔ نماز مغرب کے بعد عشاء تک پھر مسجد میں بیٹھتے ہیں اور طرح طرح کے پیرایوں میں کہ اسلام کی صداقت کے سامنے کوئی دین نہیں ٹھہر سکتا ۔ یورپ میں دین اسلام کیونکر پھیل سکتا ہے ۔ ہندوستان میں آریہ سماج کے مقابلہ کی کیسی ضرورت ہے ۔ سکھوں کے پیشواہ بابا نانک صاحب اسلامی صداقتوں سے کیسے متاثر تھے ۔ خدا سے تعلق کس طرح پیدا ہوتا ہے ۔ نمازوں میں لذت کس طرح آتی ہے ۔ قرآن کریم کو اپنا ہادی بنانے کی کیسی ضرورت ہے ۔ غرض ہر وقت یہی ایک شغل ہے جو دنیا کی مجالس میں کہیں نظر نہیں آتا ۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ اس وقت کتنے دن قیام کیا ۔ غالباً سات آٹھ دن تھے ۔ اور بالآخر خواجہ صاحب مرحوم کے ذریعہ اس پاک انسان کے ساتھ تعلق بیعت کی خواہش خود ہی ظاہر کی اور بیعت میں شامل ہوا ۔ گو جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں والد صاحب مرحوم اور ہم دونوں بھائی حضرت مسیح موعود کی صداقت کے دل سے قائل تھے مگر بیعت کو غیر ضروری سمجھتے تھے اور اس قدر کافی سمجھتے تھے کہ ہم آپ کو صادق مانتے ہیں ۔ اور کہ بیعت میں داخل ہونے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ۔ آج بھی بہت لوگ اس خیال کے ہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کی تعداد ہماری جماعت سے بہت زیادہ ہے جو حضرت مسیح موعود کی صداقت کے قائل تو ہیں لیکن بیعت میں شامل نہیں یا بیعت کو ضروری نہیں سمجھتے ۔ ایسے ہی لوگوں کو اپنے اندر شامل سمجھ کر حضرت صاحب اپنی جماعت کی تعداد کا اپنی زندگی کے آخری ایام میں چار لاکھ کا اندازہ کرتے تھے ۔

بھائی صاحب اور دیگر اعزّہ کی بیعت

بہر حال بیعت کر لینے کے بعد میں نے اس واقعہ سے اپنے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب اور والد مرحوم کو اطلاع دی اور وہ دونوں بھی فی الفور بیعت میں داخل ہو گئے اور اس کے بعد باقی سب بھائی اور دیگر رشتہ دار بھی داخل بیعت ہوتے چلے گئے ۔ یہاں تک کہ آج خدا کے فضل سے ان عزیزوں کی ایک بڑی بھاری جماعت بن گئی ہے جو سب کے سب اللہ کے فضل سے خدا کے دین کی مدد میں حسب حیثیت مصروف ہیں ۔

اللہ تعالیٰ کا دوسرا فضل

اور پھر دوسرا فضل خدا کا یہ ہے کہ سب عزیز اس غلط راہ پر پڑنے سے بچے رہے ہیں جس کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نئی نبوت قائم کی گئی ہے اور چالیس کروڑ کلمہ گوؤں کو کافر قرار دیا گیا ہے ۔ میں اس بات کو اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے سمجھتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسا قدم اٹھانے کی توفیق دی جو میرے ساتھ تعلق قرابت یا محبت رکھنے والوں کے لئے موجب ہدایت ہوا ۔

بیعت کی ضرورت واہمیت

صداقت تو وہی تھی جس کو میں بیعت سے پہلے بھی قبول کرتا تھا اور بیعت

(بقیہ صفحہ نمبر 24)

یادگار محبوب میں چند آنسو

ہاں دکھا اے تصور پھر وہ صبح و شام تو : دوڑ پیچھے کی طرف گردشِ ایام تو

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

جمالِ یاد

جب حضرت امیر رحمتہ اللہ علیہ کا جنازہ ۱۴/۱۱ کتوبر کی شام کو لاہور پہنچا اور احمدیہ بلڈنگس لاہور کی مسجد میں ایک جم غفیر نے ہاں اتنی بڑی جماعت نے جو شاید جلسہ سالانہ پر بھی جمع نہ ہوئی ہو۔ حضور کے ساتھ آخری نماز پڑھ لی تو بعض عقیدتمندوں نے فرطِ محبت سے بیقرار ہو کر زیارت کے لئے اصرار کیا حالانکہ وفات پر عرصہ گذر جانے کی وجہ سے ان کی اس تڑپ کو پورا کرنا ممکن نہ تھا۔ میں ان عاشقان محمد علی کی خواہش کی قدر کرتے ہوئے سب سے پہلے اس آخری دیدار کا ہی ذکر کرتا ہوں جو مجھے نصیب ہوا۔ حضور بیمار تو عرصہ سے تھے مگر آخری ۱۵، ۲۰ دن میں تکلیف بہت بڑھ گئی تھی۔ حضرت کی عادت بڑی سے بڑی تکلیف کو اپنے پر سہہ لینے کی تھی، اتنی بڑی تکلیف کو سہہ لینے کی وجہ سے اور وہ صبر اور خاموشی سے حضور کے چہرہ پر آخری ایام میں تکان اور کمزوری کے آثار نمایاں تھے۔ مگر وفات کے بعد جب غسل کرا کر آخری دیدار کرایا گیا تو چہرہ پہ آرام و تسکین اور جوانی کے آثار نظر آئے تھے اور حضور ایک ایسی گہری نیند میں آرام کر رہے تھے جس سے جگانے کی کوشش بیکار تھی۔

مگر میری آنکھوں کے آگے وہ سکھی اور جوانی کی طرف مائل چہرہ کم آتا ہے۔ میری آنکھوں کے آگے وہ نظارے پھرتے ہیں کہ میں کمرہ میں داخل ہوا اور وہ حسین اور گورا چہرہ خوشی اور مسکراہٹ سے پھول کی طرح کھل گیا یا خطبہ جمعہ یا جلسہ سالانہ پر پُر نور اور مقدس چہرہ جس کے ہونٹوں سے علم، معرفت اور ہدایت کے چشمہ بہتے تھے اور اس تصور میں میرے ساتھ میری قوم بھی شامل ہے۔ ہاں ایک اور نظارہ بھی بھول نہیں سکتا۔ ممکن ہے اور دوستوں کو کبھی نصیب ہوا ہو۔ کراچی میں ایک دفعہ اس سال یا گئے سال دوپہر کے کھانے کے بعد حضرت امیر ظہر کی نماز کے لئے وضو کرنے لگے۔ میں اور گھر کے لوگ ابھی میز پر بیٹھے تھے۔ وضو کر کے کمرہ سے نکلے تو کھانے کے کمرہ کی پہلی کھڑکی سے مجھے حضور کا چہرہ نظر آیا۔ اس وقت نہ صرف بیماری یا کمزوری کا کوئی نشان چہرہ پر نہ تھا بلکہ تروتازگی کے علاوہ باطنی نور پھوٹ کر چہرہ پر ایک عجیب سماں پیدا کر رہا تھا۔ چونکہ میرا ہی منہ اس طرف تھا اس لئے شاید میرے سوا کسی نے وہ نظارہ نہیں دیکھا۔ یا دیکھا تو اس کی باطن کی آنکھ وقت کھلی نہ تھی۔ خدا جانے کیوں میری آنکھوں کے آگے وہ ہمیشہ اور زندہ اور جیتے جاگتے نظارے پھرتے ہیں۔ دراصل محمد علی مرا ہی نہیں۔ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ نہ صرف ہمارے دلوں میں اور ہماری آنکھوں کے آگے بلکہ اپنے کام اور اپنی تصانیف کے ذریعہ جو قیامت تک اسے آسمان پر ایک درخشندہ ستارے کی طرح منور رکھیں گی۔

حُسن باطنی

امیر مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ظاہری حسن و جمال عطا فرمایا تھا بلکہ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر باطنی حسن و جمال سے مزین و آراستہ کیا تھا۔ شاید اسے کوئی مبالغہ سمجھے۔ میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔ میری ظاہری اور باطنی آنکھ نے جو کچھ دیکھا میں تو وہی لکھوں گا۔ میں نے کیا دیکھنا اور لکھنا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ جن کی ظاہری آنکھ کی طاقت کے بارہ میں بھی وعدہ الٰہی تھا کہ کبھی کمزور نہ ہوگی اور جن کی باطنی آنکھ کی طاقت کا ہم کمزور سیاہ باطن لوگوں نے

کیا۔ اندازہ لگانا ہے وہ بھی لکھ کر چھوڑ گئے کہ انہوں نے ظاہری اور باطنی آنکھ دونوں سے اپنے اس شاگرد کو دیکھا اور اس میں ہر لحاظ سے خوبیاں پائیں بلکہ بعض باتوں میں رشک کے قابل پایا۔ اور پیشگوئی کی کہ جوان موصوف اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت ترقی کرے گا۔ اور اس کا ضامن اپنی فراست مومنانہ کو ٹھہرایا۔ کیا حضرت مسیح موعود نے بھی مبالغہ سے کام لیا (نعوذ باللہ) یا آپ کی فراست مومنانہ نے غلطی کھائی؟ ''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''

دیدار کے موقعے

مجھے حضرت امیر رحمتہ اللہ علیہ کو نزدیک بلکہ اندر سے دیکھنے کے جو موقعے میسر آئے وہ کم لوگوں کو ملے ہوں۔ گو اکثر لوگوں نے انہیں باہر سے اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے دیکھا ہو گا۔ ۱۹۲۲ء سے لے کر ۱۹۲۸ء تک چھ سال متواتر میں نے گرمیاں حضور کے قدموں میں ڈلہوزی پہاڑ پر گذاریں۔ ان دنوں میں سردیوں میں بھی متواتر لاہور آپ کے پاس رہا۔ میری نوجوانی کے دن تھے، زندگی اور دنیا اپنی پوری کشش اور اندھا کر دینے والی چمک سے مجھے اپنی طرف مائل کئے ہوئے تھی۔ مجھے مذہب سے کوئی شغف یا دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے اہل مذہب کی طرف کوئی کشش نہ تھی۔ اس وجہ سے میں نے حضرت امیرؒ کو بڑی آزادی رائے اور تنقیدی طرز سے دیکھا۔

بعد میں ایک لمبا عرصہ مجھے حضور کے ساتھ گذارنے کا تب ملا کہ حضور بمبئی اور کراچی تشریف لاتے رہے۔ ۱۹۲۸ء کے بعد تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے زیارت تو اکثر ہوتی رہی۔ خدا کے پاس سب نے جانا ہے، اپنا اپنا حساب دینا ہے۔ جھوٹ اور مبالغہ اس دنیا میں چل جاتا ہے۔ آخرت میں عذاب الٰہی بن کر گلے کا طوق ہو جائے گا۔ اسی احساس کے ساتھ میں لکھتا ہوں کہ میں نے محمد علی کو اندر اور باہر سے اتنا لمبا عرصہ دیکھا اور خدا گواہ ہے کہ کوئی عیب نہیں پایا ممکن ہے کہ میری آنکھ کمزور ہو یا کوئی پہلو ایسا ہو جو نظر نہ آیا ہو۔ مگر اس لمبے عرصہ میں محمد علی کو اندر اور باہر سے دیکھا مگر خدا گواہ ہے کہ ہیرا اور موتی پایا۔ بڑی باتوں کو جانے دیجئے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اپنے عزیزوں کی زبانی شکایت اور پھر محمد علی کو دیکھا کہ شاید یہ بات میری توجہ میں نہ آئی ہو۔ مگر شکایت کو شاکی کی کوتاہی پایا۔ اگر دیکھنے والے کا اپنا چشمہ رنگدار ہو یا داغدار ہو تو اس میں روشنی کا کیا قصور۔

عشق محبت

میں نے محمد علی کو نہ صرف ایک پاک انسان پایا بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کی طرح انہیں ہر لحاظ سے باطنی حسن و جمال سے آراستہ اور مزین دیکھا اور سیرت اور اخلاق وہ چیزیں ہیں جو دل کو کھا جاتی ہیں۔ میری نوجوانی کے دنوں میں ہی حضور کے اخلاق اور خوبیوں نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا اور میرے دل میں آپ کی عزت اور قدر پیدا کی اور آہستہ آہستہ آپ کے باطنی حسن و جمال نے میرے دل کو اپنا شیدائی بنا لیا۔ عجیب بات ہے کہ جوں جوں مجھے حضور کو زیادہ دیکھنے کا موقع ملا توں توں میرے دل پر اثر بڑھتا گیا۔ نزدیک سے دیکھنا بڑی خطرناک چیز ہے۔ بہت سے بزرگوں کے پول ذرا واسطہ پڑنے اور نزدیک رہنے پر کھل جاتے ہیں۔ میں آپ کے جتنا نزدیک رہا اتنا ہی دل گرویدہ ہوتا گیا۔ ممکن ہے کچھ لوگ سمجھیں کہ چونکہ حضرت امیر سے میرا خاندانی تعلق بھی تھا۔ اس لئے میں ایسا لکھ رہا ہوں۔ بے شک رشتہ داروں کی محبت بھی ہوتی ہے مگر میرے اور رشتہ دار بھی ہیں۔ ان میں سے بہت سے حضرت امیر سے زیادہ نزدیک ہیں۔ میں سب کی قدر اور عزت کرتا ہوں۔ اور اکثر کو بہت خوبیوں سے متصف پاتا ہوں فالحمد اللہ علی ذالک۔ مگر مجھے ان میں سے بعض کی کمزوریاں اور نقائص کا بھی احساس ہے اس لئے رشتہ داری نے میری آنکھ کو اندھا نہیں کیا۔ ہاں محمد علی کے بے مثل باطنی حسن و جمال نے ضرور گرویدہ کر لیا۔ اگر وہ یہ بات کسی کی سمجھ نہ آئے یا کوئی بدظنی کرنا چاہے تو یہ اس کا اختیار ہے۔

بیماری میں صبر و تحمل

اگر لوگ جو صحت اور خوشی میں اعلیٰ اخلاق پر ہوتے ہیں، بیماری اور غم میں

(بقیہ صفحہ نمبر **24**)

تقویٰ

رمضان: قبولیت دُعا: تقویٰ۔ معیت خدا

ملک بشیر اللہ خان راسخ

جماعت احمدیہ لاہور کے احباب کو ہزاروں امتحانوں اور آزمائشوں کا سامنا ہے۔ ہر شجر زہر آلود، ہر حجر سنگِ خارا، ہر شخص مخالف، ہر سمت گرد و غبار، ہر جھاڑی کے پیچھے دشمن عیار، ہشت پہلو کہ قاتل ہے سرگرم۔ تقویٰ ہی صرف بازار قاتلاں سے گذرنے دے گا۔ وگرنہ اور کوئی زرہ بکتر نہیں مگر تلوارِ دُعا ضرور ہو۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''جماعت کے ساتھ دعا کرو اور تنہائی میں دروازے بند کر کے دعا کرو تا کہ خدا تعالیٰ نفس امارہ سے آزادی دیدے۔ تم جہاں تک ہو سکے گریہ وزاری کی عادت ڈالو، یہیں سے اللہ تعالیٰ کو انسان پر رحم آتا ہے۔ کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے رُوبرو پاک صاف ہو جاؤ کہ جیسے قرآن شریف کی ہدایتوں کی رُو سے اُس کا منشاء ہے۔ کاہلی کچھ چیز نہیں ہے اور بے مجاہدہ کوئی کسی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

دعا میں خدا تعالیٰ نے بڑی قوتیں رکھی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار بذریعہ الہامات یہی فرمایا ہے کہ جو کچھ ہوگا دعا سے ہی ہوگا۔ ہمارا ہتھیار صرف دعا ہی ہے۔ اس کے سوا میرے پاس اور کوئی ہتھیار نہیں۔''

حدیث شریف میں ہے:

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں داخل ہوتے تھے تو بہت شب بیداری کیا کرتے تھے اور ان ہی دس راتوں میں لیلۃ القدر ہے جیسا کہ سورۃ القدر میں ذکر ہے۔ اور قرآن کریم کا نزول بھی ماہ رمضان میں شروع ہوا تھا۔ اس سورۃ میں عبادت کے بہترین ایام کا ذکر ہے اور بجائے ایام کے لیال کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیونکہ رات کی عبادت ہی بہترین عبادت ہے۔ انبیاء علیہ السلام کے پاس مخالفین اور دشمنان کے مقابلہ کے لئے سب سے بڑا ہتھیار دُعا ہی تھا اور دعاؤں کی قبولیت کے لئے بعض اوقات مقامات متبرکہ خاص مناسبت رکھتے ہیں۔ اس لئے ایک شق ان میں سے جو اوقات مخصوصہ اور متبرکہ کی ہے ذکر کی جاتی ہے۔

سب سے زیادہ متبرک ایام لیالِ عشرہ اور آخری رمضان المبارک ہے۔ ماہ شوال کی پہلی رات لیلۃ الجائزۃ کہلاتی ہے۔ اس رات میں ماہِ رمضان المبارک کا تمام ثواب مرحمت کیا جاتا ہے اور حدیث شریف میں اس رات کو نہایت بابرکت رات بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ مَیں دعا کرنے والے کی دعا کو جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں، پس چاہیے کہ میری فرمانبرداری کریں اور چاہیے کہ مجھ پر ایمان لائیں تا کہ ہدایت پائیں''۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 186)

پس چاہیے کہ میری فرمانبرداری کریں مجھ پر ایمان لائیں تا کہ ہدایت پائیں۔ اور ایک جگہ یوں فرمایا: ترجمہ: ''کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری اتباہ کرو تا کہ اللہ تم سے محبت کرے'' اور جو شخص خاتم النبیین و خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچے دل سے پیار کرتا ہے۔ آپؐ کی پیروی کرتا ہے تو بالآخر اللہ تعالیٰ بھی انسان سے ہی محبت کرنے لگتا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ غرض تو اعمال صالحہ بجالانا ہے تو پھر ناجی اور مقبول بننے کے لئے پیروی کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کا صادر ہونا اللہ تعالیٰ کی توفیق پر موقوف پس جبکہ خداوند کریم نے ایک اپنی عظیم الشان مصلحت سے امام اور رسول مقرر کیا اور اس کی اطاعت کے لئے حکم دیا تو جو شخص اس حکم کو پا کر پیروی نہیں کرتا اس کو اعمال صالحہ کی توفیق نہیں دی جاتی۔

رمضان ماہ مجاہدہ اور طاق راتیں

''ہم نے اسے (قرآن) لیلۃ القدر میں اتارا اور تجھے کیا خبر ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح اپنے رب کے اذن سے ہر امر (خیر) کو لئے ہوئے اترتے ہیں۔ سلامتی یہ فجر کے طلوع تک ہے۔'' (سورۃ القدر) اس سورۃ میں اصل ذکر قرآن کریم کے نزول کا ہے۔ جو لیلۃ القدر میں اتارا گیا۔ اسی مناسبت کے لحاظ سے اس کا نام القدر ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صد چہاردہم فرماتے ہیں:

''اے دانشمندو تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالیٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی اور ایک بندہ کو مصلحت عام کے لئے خاص کر کے بغرض اعلاء کلمۃ اسلام واشاعت نور حضرت خیر الانام اور تائید سے مسلمانوں کے لئے اور نیز ان کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے (تزکیہ نفس) ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔ تعجب تو اس بات میں ہوتا کہ وہ خدا جو حامی دین اسلام ہے جس نے وعدہ کیا تھا کہ میں ہمیشہ تعلیم قرآنی کا نگہبان رہوں گا اور اسے سرد، اور بے رونق اور بے نور ہونے نہیں دوں گا وہ اس تاریکی کو دیکھ کر اور ان اندرونی اور بیرونی فسادوں پر نظر ڈال کر چپ رہتا اور اپنے اس وعدہ کو یاد نہ کرتا جس کو اپنے پاک کلام میں موکد (تاکید) طور پر بیان کر چکا تھا۔ نحن نزلنا الذکر میں پھر کہتا ہوں کہ اگر تعجب کی جگہ تھی تو یہ تھی کہ جس پاک رسول کی یہ صاف اور کھلی پیشگوئی خطا جاتی جس میں فرمایا گیا تھا کہ: ہر ایک صدی کے سر پر خدا تعالیٰ ایک ایسے بندہ کو پیدا کرتا رہے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا''

سو بھائیو یہ تو ٹھیک اور ضروری ہے کہ تاریکی پھیلنے کے وقت آسمان سے روشنی اترے۔ اسی مضمون میں بیان کر چکا ہوں کہ خدا تعالیٰ سورۃ القدر میں بیان فرماتا ہے بلکہ مومنین کو بشارت دیتا ہے کہ اس کا کلام لیلۃ القدر میں آسمان سے اتارا گیا ہے۔

روزہ سے متقی بنانے کے لئے ہیں۔ جب تقویٰ حاصل ہو جائے تو قبولیت دعا کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر جا کر قبولیت دعا کی وجہ سے صادق کی صحبت میسر آتی ہے۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ'' صادق کی صحبت سے معرفت پیدا ہوتی ہے۔

متقی کے ساتھ چونکہ اللہ تعالیٰ کی معیت ہوتی ہے اس لئے دشمن پر بھی متقی کا رعب ہوتا ہے مگر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سچا تقویٰ کبھی حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ان صادقوں اور مردان خدا کی صحبت اختیار نہیں کرتا اور خدا تعالیٰ کے فرستادوں کی اطاعت میں ایک فنا اپنے اوپر طاری نہیں کر لیتا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور صادقوں کے ساتھ رہو۔ ان کی معیت سے قوت پکڑو'' اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی پوری حقیقت اسی وقت تک متحقق نہیں ہو سکتی جب تک ایک فانی مرد کی پاک صحبت میں رہ کر فائدہ نہ اٹھائے۔

لدنی علم سلطان القلم

مسیح موعودؑ جو علوم حقیقی سے مالا مال تھے اور آپ فرماتے ہیں میری زبان پر جو الفاظ جاری ہوتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غیب سے مجھے علم دے رہا ہے۔ الفاظ میرے منہ میں ڈال رہا ہے۔ اپنے فرستادوں کو اللہ تعالیٰ خاص علم سے نوازتا ہے جو اور کسی عالم، مفسر، محقق، مولانا، مجتہد، مفتی، شیخ کو حاصل نہیں ہوتا۔ اپنے برگزیدہ انسانوں کو مجددین محدثین، رسولوں، انبیاء اور زمین پر بھیجے ہوئے

(بقیہ صفحہ نمبر 25)

بقیہ: ’’اِن مَردانِ خدا کی یاد مجھے ستاتی ہے‘‘

ایک رنگ میں کام کیا۔ میں نے اسلامک ریویو کی ایڈیٹری کی، مسجد اور مکان اور احاطہ مسجد کی صفائی اور زینت کو کمال تک پہنچایا۔ اور میرے ہاتھ پر سینکڑوں کی تعداد میں انگریز مسلمان ہوئے۔ حضرت خواجہ کمال الدینؒ صاحب کی شخصیت میں بہت بڑی کشش تھی اور خدا تعالیٰ نے ان کے دل کو جذبہ تبلیغ سے معمور کر رکھا تھا۔ انکے لیکچروں اور ان کی تحریروں اور ان کی تبلیغ کی وجہ سے دنیائے اسلام ان پر فریفتہ تھی اور ان کی وجہ سے انجمن کی عزت میں اضافہ ہوا اور اس کی شہرت دُور دُور تک پہنچی جس طرح سے حضرت مولانا صاحب مرحوم و مغفور کے بینظیر لٹریچر کی وجہ سے انجمن کی عزت وشہرت میں اضافہ ہوا ان کی روشن خدمات ہمیشہ کے لئے ان کے نام کو زندہ رکھیں گی۔ میرے ان رفیقوں کے علاوہ حضرت شیخ رحمتہ اللہ صاحب تھے جن کی کوٹھی میں میرے اہل وعیال اوران کے اہل وعیال ساتھ مل کر رہتے تھے۔ اس مردِ خدا نے حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں بھی سلسلہ عالیہ کی امداد فراخ دلی سے کی اور لاہور کی انجمن کے لئے بھی ان کی فیاضی بڑے پیمانے پر عمل پیرا رہی۔ اور حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب جیسا فرشتہ سیرت انسان نے قوم کے ہر فرد کے دل میں گھر بنا رکھا تھا۔ ان کی دوستی کی داستانیں ایسی ہیں کہ میں اُن کو فراموش نہیں کر سکتا۔ حضرت شاہ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے مجھے اپنے رشتہ داروں میں شمار کر رکھا تھا۔ وہ سخی مرد تھا۔ ایک باوفا دوست اور غرباء پروری کے لئے ان کے دل میں ایک جذبہ موجزن رہتا تھا۔ انکو سلسلہ عالیہ کی ترقی اور استحکام کی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس بارے میں بہت گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان مردانِ خدا کی یاد مجھے ستاتی ہے۔ اس قافلے سے میں اکیلا پیچھے رہ گیا ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلد ان کو جا ملوں گا۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی برکات نازل فرماتا رہے۔ آمین۔

(صدرالدین ۱۹ دسمبر ۱۹۵۱ء)

بقیہ: شہید اور شہادت

میں اس کے گھر کی حفاظت کرے وہ بھی مجاہد کی طرح ہے‘‘ (بخاری)

’’جہاد قیامت تک جاری رہے گا اور گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت رکھی گئی ہے‘‘۔ (بخاری)

مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

’’گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت رکھنے سے مراد یہ ہے کہ گھوڑے جہاد بالسیف کا ضروری جزو ہیں اور مجاہدین کے لئے باعث برکت ہیں اور قیامت تک برکت رکھنے کا مطلب ہے کہ جہاد قیامت تک رہے گا اور قیامت تک اس کے لئے ضروری سامان کی ضرورت پیش آتی رہے گی‘‘۔

(فضل الباری، شرح بخاری، جلد اول ص1203)

حضرت اقدسؑ بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں: ’’میں اس اشتہار کے ذریعہ اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع، دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کی رُو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنی اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی امر سہل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے۔۔۔۔۔

مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال اُن کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اُس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے اور اس کی مُحبت میں محو ہو جاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمال فاسقانہ یا غفلت اور کسل ہو سب اپنے تئیں دور تر لے جاتے ہیں لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر و مُطہر تھا اور بلاشبہ وہ اُن برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے۔ اور ایک ذرہ کینہ اُس سے رکھنا موجب سلبِ ایمان ہے اور اس امام کا تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر واستقامت اور زُہد اور عبادت ہمارے لئے اُسوہ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتدا کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی‘‘۔ (مجموعہ اشتہارات ص544 جلد سوم)

بقیہ: آسمانِ احمدیت کا ایک درخشندہ ستارہ

عربی تصنیف کتاب البریہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اور مسیح موعودؑ کی تحریروں میں پائے جانے والے عربی الفاظ کی ایک گائیڈ (لغت) ترتیب دی۔ تا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی عربی کتب کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ درس قرآن میں وہ مولانا محمد علیؒ کی تفسیر کو مدِ نظر رکھتے۔ آپ کو برسوں تک آپ کی خدمات کی وجہ سے یاد کیا جاتا رہے گا۔

آپ کی وفات سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اس کا پورا کرنا بظاہر ممکن نہیں آتا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے وہی اس کو چلائے گا۔

آپ نہایت صاف گو اور مخلص دوست تھے۔ درگذر کرنا اور معاف کر دینا ان کا شیوہ تھا اور دوستوں کو اُن کی زیادتیوں کے باوجود نیکی اور ہمدردی سے اور خیر خواہی سے پیش آنا۔ دامے درمے ان کی مدد کرنا، ان کی شخصیت کے وہ رُخ ہیں جس کی غیر از جماعت دوستوں اور چاہنے والوں اور شاگردوں میں ان کی وفات سے کمی عرصہ دراز تک محسوس کی جاتی رہے گی۔ اندرون ملک کے علاوہ آپ بیرونی جماعتوں امریکہ، یورپ، جرمنی، پولینڈ، فرانس، ہالینڈ، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، کینیڈا، انڈونیشیا، فجی، گیانا میں بھی بے حد مقبول تھے اور ہر دینی اور جماعتی معاملہ میں وہ آپ کی رہنمائی اور فیصلہ کے منتظر رہتے تھے۔ آپ کی قائدانہ صلاحیتوں اور بصیرت کی وجہ سے ہی بیرونی جماعتوں نے بے حساب ترقی کی۔

آپ کی وفات سے جو نقصان عظیم ہوا ہے اس کا اثر نہ صرف اُن کے خاندان پر بلکہ جماعت احمدیہ لاہور کی تمام دنیا پر پھیلی ہوئی شاخوں پر محسوس کیا جا رہا ہے اور شاید عرصہ دراز تک محسوس کیا جاتا رہے گا۔

بقیہ: مولانا عبید اللہ سندھی اور احمدیت

''مولانا سندھیؒ مولوی نورالدینؒ کی عقلیت پسندی کے فکری رجحان پر بہت زور دیتے تھے۔ ایک بار اس کا ذکر آیا تو فرمانے لگے کہ مولوی صاحب سمجھ دار تھے، صاحب فہم تھے، ان کو قرآن پر بڑا عبور تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ قرآن کی تعلیمات کو جدید عقلی انداز میں دنیا کے معقولیت پسند انسانوں کے سامنے پیش کریں''۔ (ص ۴۰۳)

یہاں پروفیسر سرور کا ایک فٹ نوٹ بھی ہے جو یوں ہے:

''لاہور کی جماعت احمدیہ کے امیر مولانا محمد علی نے قادیان سے لاہور منتقل ہو کر نورالدین کے اس کام کو پورا کیا۔ ان کا انگریزی ترجمہ قرآن دنیا کے ہر حصے میں پہنچا۔ اور اس کی بہت زیادہ نشر و اشاعت ہوئی۔ یہ ترجمہ اور اس کی مختصر تفسیر مولوی نورالدین صاحب ہی کے درسِ قرآن سے مستفاد ہے۔ مولانا محمد علیؒ نے دراصل حکیم صاحب کے کام ہی کو آگے بڑھایا''۔ (ایضاً)

مولانا سندھی ''مکتوبات'' میں لکھتے ہیں: ''آپ کو معلوم نہیں کہ نورالدین مرحوم کی خدمت میں کس طرح حاضر ہوا: آپ مولانا محمد علی اور مولانا نورالدین سے دریافت کر سکتے ہیں کہ مولانا مرحوم میرے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں۔ اُن کی دعاؤں کو میں اپنے لئے ایک ذریعہ نجات سمجھتا ہوں۔ محض اس وجہ سے میرے دیوبندی دوستوں نے میری تکفیر سے گریز کیا مگر میری محبت اس پارٹی سے کم نہیں ہوئی''۔ (ص ۴۵)

''آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں جناب مرزا غلام احمد کے دعاوی کو ایک ذرہ برابر بھی قیمت (وقعت) نہیں دیتا اور مولانا نورالدین مرحوم کو علماء اسلام میں بہت بڑے درجہ پر مانتا ہوں۔ مولانا نورالدین کا مرزا غلام احمد کو ماننا ہی ان کی ایک اجتہادی غلطی مانتا ہوں۔ اس لئے میں نورالدین کے خاص شاگردوں کی بہت عزت کرتا ہوں۔ میری اس تفریق کو جو لوگ نہیں سمجھتے وہ مجھے برا بھلا کہتے رہتے ہیں''۔ (ص ۴۷)

(۳) حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

ان کے بارے میں پروفیسر اسلم نے یہ نوٹ لکھا ہے: ''مولوی محمد علی لاہوریؒ (م ۱۹۵۱ء) لاہوری احمدیوں کے امیر تھے۔ انہوں نے قرآن حکیم کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ موصوف کی وفات پر مولوی صدرالدین ان کے جانشین ہوئے تھے۔ مولانا سندھیؒ ہجرت سے قبل ان سے ملے تھے۔'' (مکتوبات ص ۳۷ حاشیہ)

''میں مولانا نورالدین مرحوم کے بعد مولانا محمد علیؒ کی بہت عزت دل میں رکھتا ہوں'' (مکتوبات ص ۴۲) ''میں ذاتی طور پر مولانا محمد علی اور ان کے کام کی بہت عزت کرتا ہوں۔ مولانا صدرالدینؒ سے مجھے زیادہ واقفیت نہیں تھی مگر آپ کے بتانے پر میں ان سے بھی محبت رکھتا ہوں۔ (ایضاً) ''میں کابل آنے سے پہلے مولانا محمد علیؒ سے خاص طور پر ملا۔ اور ان کی رائے بعض مسائل کے متعلق خاص طور پر حاصل کی۔ اور میں اُسے ایک سند کے طور پر مانتا ہوں''۔ (ایضاً ص ۴۵)

بقیہ: حضرت مولانا محمد علیؒ۔۔۔۔۔

کے بعد بھی کرتا تھا۔لیکن بیعت نے میرے لئے ایک نیا دروازہ کھول دیا اور ایک نئی روح، نیا جوش اور نیا ایمان پیدا کردیا۔یہ کوئی عارضی جذبہ نہ تھا بلکہ زندگی کے اندر ایک انقلاب عظیم تھا جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ قانون کے امتحانات میں نے اول یا دوئم رہ کر پاس کیے اور ایک وکیل کی کامیاب زندگی کا دروازہ میرے سامنے کھل چکا تھا اور باوجود اس کے کہ ای اے سی کے مقابلہ میں میرا نام منظور شدہ تھا جہاں مجھے نکل جانے کی پوری توقع تھی۔یہ تمام باتیں خدمت دین کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگیں۔اور حضرت مسیح موعود کے ایک اشارہ پر کہ ہم ایک انگریزی رسالہ نکالنا چاہتے ہیں۔اس طرف کی تمام امیدوں کو رخصت کیا۔اور خدا نے جو چاہا ایک ناکارہ انسان سے کام لیا۔

میں جانتا ہوں کہ بہت لوگ ہیں جو میرے اس پہلے زمانہ کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو سچا مان لینا کافی ہے اور بیعت کی کوئی ضرورت نہیں یا وہ بیعت کا نام لینے سے اس لئے گھبراتے ہیں کہ ایک بدنام جماعت سے مل کر بدنام ہونا پڑتا ہے لیکن آج جو شخص بدنامی سے ڈرتا ہے وہ اپنی خداداد طاقتوں کو ضائع کرتا ہے۔بظاہر جماعت احمدیہ میں شامل ہوکر انسان ایک فتنوں کی آگ میں کودتا ہے مگر اسکے اندر آکر دیکھتا ہے تو یہی بیرونی آگ اس کے قلب میں سکون اور راحت پیدا کرنے کا کام دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہی انسان کی ترقی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔خدمت اسلام کے لئے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔اور اگر دنیا کی نگاہ میں تھوڑی سی ذلت قبول کرنے سے اللہ کا خوف دور ہوجائے تو یہی ذلت عزت کے مقام پر پہنچانے والی چیز ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: یادگار محبوب میں چند آنسو

آکر بتقاضائے فطرت چڑچڑے اور بدمزاج ہوجاتے ہیں اور ان کی بعض مخفی کمزوریاں باہر نکل آتی ہیں۔حضرت امیر نے اپنے مرض الموت کے دن میرے غریب خانہ پر گذارے، کاش دنیا میں سارے بیمار ایسے ہوں۔میں رشتہ دار سہی اور جانبدار سہی۔اس تجر کار نرس کی گواہی سنیئے جسے ڈاکٹر صاحبان نے پھرا خری ایام میں حکماً رکھوایا تھا۔کہنے لگی میں نے ایسا مریض اپنی عمر میں نہیں دیکھا جو اس قدر صبر اور تحمل سے تکلیف کو سہتا ہو اور جو کبھی بدمزاجی نہ کرتا ہو۔حضور تقریباً سارا عرصہ اس دفعہ بیمار رہے۔پہلے تنفس کی تکلیف زیادہ تھی اور درد شکم کی کم۔بعد میں ٹیکوں کی وجہ سے تنفس کی تکلیف کچھ قابو میں آئی تھی مگر درد شکم بڑھ گیا تھا جس کی وجہ کسی کو سمجھ نہ آئی۔کمزوری دن بدن بڑھتی جارہی تھی اور صرف گرتی ہوئی صحت کو دیکھ کر بلکہ کچھ اطلاعات آسمانی سے بھی حضرت امیرؓ کو یقین ہوگیا تھا کہ ان کی وفات نزدیک ہے۔مگر کیا مایوسی وحزن تھا؟ کیا کوئی جزع وفزع یا ان کا شائبہ بھی کبھی نظر آیا؟ اس کا جواب صرف وہی دے سکتے ہیں جو حضور کو دیکھ رہے تھے۔دنیا کو چھوڑنے یا بیوی بچوں سے جدا ہونے کا غم ہم نے نہ دیکھا نہ سنا۔(پیغام صلح ستمبر1957ء)

مضمون نگار حضرات کی خدمت میں گذارش

احباب وخواتین جماعت سے درخواست ہے کہ موجودہ حالات و مسائل کے پیش نظر مضامین لکھ کر ارسال فرمائیں۔یہ آپ کا اخبار ہے۔اسے زیادہ سے زیادہ متنوع بنانے کے لئے تعاون کی ضرورت ہے۔

پیغام صلح کے معیار کو بلند رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے۔لیکن آپ کے تعاون کے بغیر اس کے معیار کو مزید بلند کرنا ممکن نہیں۔اپنے قیمتی مضامین ایڈیٹر پیغام صلح کے نام ارسال فرمائیں۔

ایڈیٹر پیغام صلح

بقیہ: رمضان: قبولیت دُعا: تقویٰ۔ معیت خدا

اپنے برگزیدوں کواللہ تعالیٰ اپنے پاس سے محض اپنے فضل وکرم سے بغیر سیکھنے اور بغیر تلاش اور بغیر کوشش کے اپنا خاص علم جسے لدنی علم کہتے ہیں عطا کرتا ہے۔

سید عبداللہ صاحب عرب نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ ان کے جسم کے اطراف میں درد ہوتا رہتا ہے۔ طاعون کا خطرہ ہے اگر آپ اپنی پہننے کی قمیض عطا فرمادیں تو وہ اسے پہنے رہیں تا کہ آپ کی قمیض کی برکت سے اس بلا سے مرض سے محفوظ رہیں۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا

''قمیض تو ہم دے دیں گے لیکن سچی بات یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کی قمیض انسان نہ پہنے کوئی دوسری چیز حفاظت نہیں کرسکتی۔ گو اللہ تعالیٰ نے بار بار وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری اور میری جماعت کی اس ذلت کی موت سے محافظت فرمائے گا۔ لیکن اس حفاظت کے وعدہ کے ساتھ تقویٰ کی شرط ہے محض رسمی طور پر مسلمان کہلانا یا رسمی طور پر میری بیعت کر لینا کسی کام نہیں آسکتا۔ جب تک ہماری جماعت کے لوگ حقیقی تقویٰ اختیار نہ کریں تب تک وہ اس وعدہ کے نیچے نہیں آسکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو دلوں کے بھید جانتا ہے وہ حقیقی تقویٰ اور اخلاص چاہتا ہے۔ ظاہرداری اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک لغو امر ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔''

حضرت مولانا محمد علیؒ کی وفات پر

مولانا مرتضیٰ حسن خان کا نوحہ

جب تک فلک پہ مہرِ منور کو ہے قیام
روشن رہے گا دہر میں اس نامور کا نام
مقبول بارگاہِ خدائے جلیل تھا
اس کا وجود رحمت حق کی دلیل تھا

حضرت امیر مولانا محمد علیؒ کی وفات کے بعد

چین سے موصول ہونے والا ایک خط

2 ستمبر1951ء

ڈیئر ڈاکٹر محمد علی!

ہمیں بڑی خوشی ہے کہ آپ کی خدمت میں یہ خط لکھنے کی عزت ہمیں حاصل ہوئی ہے۔ ہم آپ کے معزز نام سے1942ء سے واقفیت رکھتے ہیں جب مسٹر ٹو چنگ کے ذریعہ آپ کا انگریزی ترجمہ قرآن ہمیں ملا۔ ہم اس کو ایک قیمتی خزانہ سمجھتے ہیں اور قریباً دس سال سے مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس لئے ہمارے دل میں آپ کے لئے بہت بڑی عزت واحترام ہے۔ آپ نے اپنے ترجمہ میں نہایت عمدہ تفسیر کی ہے۔ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ نے صحیح راستہ پر آپ کی راہنمائی کی ہے۔

آپ کے ترجمہ سے علماء چین کو واقف کرنا ضروری ہے اس لئے ہم 1949ء سے چینی زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں اور16 پاروں کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا ہے اور اس کے فضل سے انشاء اللہ ہم اس کو مکمل کر کے رہیں گے۔

1949ء میں ہم نے اپنے بھتیجے معصوم چنگ کو جو آپ کے ملک میں مذہب کا مطالعہ کرنا بھیجا اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپ کی امداد سے انہیں مطالعہ مذہب کا موقع ملا ہے۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گذار اور آپ کے بڑے ممنون احسان ہیں۔

آپ کے مخلص

ابراہیم چنگ مولیانگ

فاطمہ لی چنگ یوآن

حُسن اخلاق اور جماعت احمدیہ۔۔۔ایک دعوتِ فکر

عبداللہ احمد

اچھے اخلاق مسلمان کی شناخت اور طرۂ امتیاز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث مبارکہ میں اخلاق حسنہ کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ سو یہ ہمارا دینی اور شرعی فریضہ ہے۔ دین اسلام بدخلقی، بدزبانی اور بدتہذیبی کی ممانعت اور مذمت کرتا ہے یہ اخلاق رذیلہ کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں!۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ القلم کی آیت نمبر 4 میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ارشاد فرمایا:

''اور آپ یقیناً بلند اخلاق کی حامل شخصیت ہیں''

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ تفسیر ''بیان القرآن'' میں سورۃ القلم کی ابتدائی چار آیات کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس سورۃ کا نام القلم ہے اور ''ن'' بھی اسے کہتے ہیں۔۔۔ یہ دونوں نام پہلی ہی آیت میں آئے ہیں اور ان دونوں لفظوں میں یہ توجہ دلائی ہے کہ قلم اور دوات سے جس قدر علوم دنیا میں پھیلیں وہ سب آخر دنیا کو اس نتیجہ پر پہنچائیں گے کہ جیسا کہ سطحی نظروں نے خیال کرلیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجنون نہیں بلکہ آپ کو ایسا اجر ملے گا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ تمام علوم یہ بھی شہادت دیں گے کہ آپ اخلاق کے بلند ترین مقام پر پہنچ گئے ہیں اور اس سورۃ کی غرض یہی بتانا ہے کہ ایک طرف اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تعلق باللہ سے کمال کو پہنچ گئے ہیں تو دوسری طرف دُنیاداروں اور طالبانِ مال کے اخلاق گرتے گرتے آخر کار کہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ اخلاق فاضلہ تعلق باللہ سے پیدا ہوتے ہیں اور وحی الٰہی کا نزول اخلاق کی نشوونما میں وہی کام دیتا ہے جو بارش زمین کی روئیدگی اور نشوونما میں دیتی ہے۔۔۔ گویا جو انسان اپنے آپ کو ایک خدا کی رضا کے ماتحت کردیتا ہے اس کا نتیجہ بھی قانون الٰہی کے ماتحت یہی ہے کہ وہ ہر قسم کی خوبیوں کو اپنے اندر جمع کرلیتا ہے اور جو اس قانون کے خلاف چلتا ہے وہ ہر قسم کی بدیوں کو اپنے اندر جمع کرلیتا ہے''۔

مفسر قرآن مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ اپنی اس مایہ ناز اور بے مثال تفسیر میں مزید آگے چل کر لکھتے ہیں:

''مگر اس سے بھی بڑھ کر تیسری بات یہ ہے کہ آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔ یہ خلق عظیم کیا تھا؟ مسلم، ابوداؤد وغیرہ میں ہشام سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی کچھ خبر دو تو آپ نے فرمایا:

''کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا پڑھتا ہوں'' تو فرمایا کہ: ''آپ کا خلق قرآن ہی تھا''۔ یعنی جس قدر اعلیٰ درجہ کی صفات انبیاء اور مومنوں کے اندر بیان کی گئی ہیں یا جن صفاتِ عالیہ کی طرف قرآن شریف میں توجہ دلائی گئی ہے وہ سب آپؐ میں موجود تھیں اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق کو کمال کو پہنچاؤں''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کے سامنے اگر عرب نے سر جھکایا اور پھر ایک عالم نے تو وہ دن بھی دور نہیں کہ کل عالم ہی سر جھکا دے۔ حالانکہ مجنون میں تو اخلاق کا نام بھی نہیں ہوسکتا اور اجر غیر ممنون کے ساتھ خلق عظیم کو بیان کر کے بتایا کہ غربت میں ہر شخص اچھے اخلاق دکھانے کا دعویٰ کرسکتا ہے مگر طاقت اور غلبہ کے وقت وہ حلم، فروتنی اور بُردباری کے اخلاق بھول جاتے ہیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ایسے کمال کو پہنچے ہوئے ہیں اور

ایسے حالت اعتدال پر ہیں کہ بلند سے بلند مقام پر کھڑے ہوکر بھی ان اخلاق میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اہل عرب پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کی وجہ سے آپ کے ''الامین'' ہونے کے قائل تھے تو آخر میں صرف اخلاق نبوی نے ہی دنیا کی متکبرترین قوم کو ایسا رام کیا کہ سر، جان، مال، عزت سب کچھ آپ پر قربان کر دیا''۔

مفسر قرآن، مفکر اسلام مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ چند سطروں کے بعد ایک اور نکتہ تحریر فرماتے ہیں:

''جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عظیم اور خلق عظیم کا ذکر کیا تو ساتھ ہی بتایا کہ آپ اخلاق مداہنہ سے پاک ہیں۔ دنیا دار خواہ کتنے بھی اعلیٰ درجے کے اخلاق دکھائیں مگر یہ سب کچھ مداہنہ کے رنگ میں ہوتا ہے۔ باہر سے ہنس ہنس کر ملتے ہیں، اندر سے جڑیں کاٹتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ سے تعلق رکھنے والے کے اخلاق اس آلایش سے پاک ہوتے ہیں، وہ اندر باہر سے ایک ہوتا ہے، اخلاص اور سچائی اس کے اندر ہوتی ہے، دنیا داروں کے اخلاق ظاہری گو بعض وقت خدا پرستوں کے اخلاق کی طرح نظر آئیں مگر یہ سب کچھ دکھاوے کے لئے ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کے مکذبین ہیں''۔ (بیان القرآن، جلد دوم، ص ۱۳۹۶۔۱۳۹۷۔ سن اشاعت ۱۳۸۸ھ، ناشر احمدیہ انجمن لاہور)

حسن اخلاق سے متعلق قرآن کریم کی مختلف آیات اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پچاس (۵۰) سے زائد احادیث مبارکہ ہمیں اخلاقِ حسنہ کو اپنانے کی دعوت دیتی ہے۔ مختلف انداز اور پیرائے میں حسن اخلاق سے مالا مال ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔

قرآن وحدیث کے عمیق مطالعہ سے درج ذیل نکات سامنے آئے ہیں:

☆ کسی انسان کے لئے اچھے اخلاق کا حامل ہونا ان خوبیوں میں سے ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

☆ حسن اخلاق سے لوگوں کی محبت واحترام ملتا ہے۔

☆ حسن اخلاق بلند ہمتی اور بلندی درجات کا ذریعہ ہے۔

☆ حسن اخلاق حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ذریعہ اور روز قیامت آپ کے قرب کا باعث بنے گا۔

☆ اخلاق حسنہ جبلی پاکیزگی اور طبیعت کی نفاست کا عکاس ہیں۔

☆ حسن اخلاق گناہوں کے خاتمے اور مغفرت کا ذریعہ ہیں۔

☆ حسن اخلاق بہت سارے لوگوں کے جنت میں جانے کا موجب بنے گا۔

☆ حسن اخلاق کی وجہ سے روز قیامت انسان کے اعمال کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

☆ اچھے اخلاق والے شخص پر جہنم کی آگ حرام کر دی جائے گی۔

☆ حسن اخلاق ہی کی وجہ سے انسان لوگوں کے درمیان بہتری اور صلح کا ذریعہ بنتا ہے۔

☆ اچھے اخلاق دشمنی کو بھی دوستی میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

اب انہی اوصاف وکمالات اور خوبیوں کے تناظر میں مولانا مجاہد الحسینی صاحب کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

''آپ جامع اسلامیہ ڈابھیل ہندوستان کے فاضل، علامہ شبیر احمد عثانی، علامہ شمس الحق افغانی اور مفتی محمد شفیع کراچوی کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔ روزنامہ ''آزاد''، روزنامہ ''نوائے وقت''، ہفت روزہ ''ساربان'' ہفت روزہ ''خدام الدین'' اور ماہنامہ ''صوت الاسلام'' کے مدیر رہے۔ اب بھی روزنامہ ''پاکستان''، روزنامہ ''اسلام'' اور ہفت روزہ ''ضرب مومن'' میں ان کی تحریریں شائع ہوتی ہیں۔

۱۹۵۳ء میں احمدیت کے خلاف جو تحریک چلی اس میں آپ بھی شامل تھے۔ اسی تحریک کی یادداشتیں ہفت روزہ ''ضرب مومن'' میں لکھتے رہے جنہیں بعد میں محمد شاہد حنیف نے کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے (آپ احراریوں کے امیر شریعت، سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے قریبی رفیق، ۱۹۵۳ء کی تحریک میں ان کے اور دیگر رہنماؤں کے امام الصلاۃ اور ان ہی کی قائم کردہ جماعت مجلس

تحفظ ختم نبوت کے بانی اراکین میں سے ہیں)۔

اس کتاب کے صفحہ نمبر ۵۶ اور ۵۷ کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

''اس نظام کے مطابق مرزا مچھل ہم پر مسلط تھا۔ نام تو اس کا کوئی اور ہوگا مگر بڑی بڑی خوفناک مونچھوں کے سبب اسے ''مرزا مچھل'' کہہ کر پکارتے تھے۔

ایک دن مرزا نے سیاست خانے کے تمام قیدیوں کو خبردار کیا کہ کل ہمارے بڑے صاحب (آئی۔ جی، جیل خانہ جات) تشریف لا رہے ہیں۔ اس لئے سب اپنی اپنی کوٹھریوں میں باادب ہو کر ان کا استقبال کریں اور کوئی بھی کسی کی شکایت نہ کرے۔

اس نے مجھے خصوصاً باادب کھڑے ہونے کی تاکید کی۔ میں نے تعمیل حکم کی صورت میں اس کے روبرو نیاز مندانہ طریقے سے کھڑا ہونے کا مظاہرہ کیا تو اس نے بالکل ٹھیک کہہ کر اظہار اطمینان کیا۔

دوسرے دن حسب پروگرام جب (آئی۔ جی جیل خانہ جات) کرنل شبیر حسن (لاہوری مرزائی) بغرض معائنہ سیاست خانہ آئے تو عملے کی فکرمندی اور تیز رفتاری سے کوٹھری میں بند ہوتے ہوئے بھی ہم نے اندازہ لگا لیا کہ صاحب آ گئے ہیں اور جب وہ مولانا سلفی اور مولانا ترنم صاحبان سے ہمکلام ہوئے تو میں فوراً اپنے بستر کے ساتھ ٹیک لگا کر اپنے پاؤں دروازے کی جانب کر کے لیٹ گیا تو مرزا مچھل نے مجھے کہا کہ او صوفیا! صاحب آ گئے، کھڑے ہو جاؤ۔

میں نے سُنی اَن سُنی کر دی اور اس طرح دروازے کی جانب پاؤں کر کے لیٹا رہا کہ صاحب نے اسے گستاخانہ انداز سمجھا ہوگا۔ دروازے پر کھڑے آئی جی صاحب نے عملے سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ عملے نے بتایا کہ یہ روزنامہ ''آزاد'' کا ایڈیٹر مجاہد الحسینی ہے۔

آزاد کا نام سنتے ہی اس نے میری کوٹھری کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور اندر آ کر معذرت خواہانہ ہو کر کہا: معاف کرنا! عملے کو پتہ نہیں تھا۔ اس جگہ آپ کو کیونکر رکھا؟

میں نے کہا ''کرنل صاحب! آپ ہمارے خلاف انتقامی کارروائی کر رہے ہیں۔ اگر ہم بھی انتقام پر آ جائیں تو جیل کے اندر بیٹھے بیٹھے بھی مرزائیوں کو بہت نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ مگر ہمارا یہ پروگرام نہیں ہے''۔

آئی۔ جی صاحب نے اپنے عملے سے دریافت کیا کہ بم کیس وارڈ میں کون ہے؟ انہوں نے مولانا عبدالستار خان نیازی کا نام لیا تو کرنل صاحب نے بتایا کہ انہیں فلاں وارڈ میں منتقل کر دیا جائے اور انہیں بم کیس وارڈ میں۔ چنانچہ مرزا مچھل کے کندھوں پر میرا بستر ارکھوایا اور مجھے بم کیس وارڈ میں لے گئے۔''

یہ کتنا سچ ہے کہ ''الفضل ماشھدت بہ الاعداء'' اصل کمال تو وہ ہے جس کی گواہی مخالف بھی دیں۔ کسی بھی باشعور انسان کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ حسنِ اخلاق کے اظہار کے لئے مدِ مقابل کی عمر اور مرتبہ قطعاً اہم نہیں ہوتا ہے، اگر کچھ اہم ہے تو وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی سچی کوشش اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی خواہش ہے، سو جب کسی انسان کو یہ دونوں نعمتیں میسر آ جائیں تو اسے آسمان پر بھی عزت ملتی ہے اور زمین پر بھی اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وفات حسرت آیات

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

ملتان:

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دُکھ ہوگا کہ عامر خورشید اور شازف خورشید صاحب کی والدہ محترمہ گذشتہ دنوں اس جہان فانی سے کوچ کر گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

راولپنڈی:

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دُکھ ہوگا کہ راولپنڈی میں جناب مبارک احمد صاحب کے بیٹے جمیل احمد صاحب اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔ ۵۔ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

منزل عشق

از: ملک بشیر اللہ خان راسخ

مسند پہ جو بیٹھے صاحب دستار نظر آتے ہیں
نہ کوئی مرد خدا نہ صاحب اِسرار نظر آتے ہیں

تا عمر ڈھونڈتا رہا منزل میں عشق کی
جنیدؒ نہ شبلیؒ نہ عطارؒ نظر آتے ہیں

عجب خامشی چھائی ہے صحن قالب پر
دِل کی بربادی کے آثار نظر آتے ہیں

مجھ کو گرنا ہے تو اپنے ہی قدموں پہ گروں
خودی کے یہی نقش و نگار نظر آتے ہیں

دستِ قاتل کو ندامت تھی کہ گردن نہ جھکی
منصورؒ لٹکے ہوئے سردار نظر آتے ہیں

داستاں لکھوں گا کیا شہروں کی میں
اُجڑے ہوئے سب درودیوار نظر آتے ہیں

خوست کے بازار میں اِک شور ہے بپا
لہو سے تر تیرے لب و رُخسار نظر آتے ہیں

یہ کس شعلہ بیان نے شعلوں پہ زبان رکھ دی
ہر لفظ سے نکلتے ہوئے انگار نظر آتے ہیں

رُوح کے سفر میں جو ہر پل شریک تھے
کیا ہوا جو غیروں کے طرفدار نظر آتے ہیں

جانا نہیں کس چیز کی کمی ہے دوستو
پروانے شمع حق کے دوچار نظر آتے ہیں

بعد مرنے کے تیری قبر پہ میں آیا انور
گل تو کیا شجر بھی غم خوار نظر آتے ہیں

راسخ تیرے بیان میں ہیں کچھ تلخیاں بھی
بے ربط بے مزہ ترے اشعار نظر آتے ہیں

دین کے قافلہ سالار تجھے میرا سلام

محمد اعظم علوی

اہلِ دل، اہلِ قلم اہلِ نظر روئیں گے
آنکھ بھی روئے گی اور دیدہ تر روئیں گے

رہبرِ قوم تجھے راہگذر روئیں گے
ہم تجھے جانِ جہاں شام و سحر روئیں گے

ہاتھ پھیلائیں گے تُربت پہ تری آ کے عُلوم
فاتحہ پڑھنے کو اُتریں گے فرشتوں کے ہجوم

بجلیاں جس میں تھیں پوشیدہ وہ تحریر کہاں
دل میں چُپکے سے اُتر آئے جو تقریر، کہاں

مشکلیں جس سے ہوں آسان وہ تدبیر کہاں
جس سے ماحول درخشاں وہ تنویر کہاں

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیا شمس و قمر
ہاتھ پھیلائیں گے تربت پہ تیری نورِ سحر

تشنگی دیں کے پیاسوں کی بُجھانے والے
نُور فرقاں سے ہر اک دل کو جلانے والے

خوابِ ہستی سے زمانہ کو جگانے والے
قوم کو رہبرِ اقوام بنانے والے

اب تری یاد ہے، گو عالمِ تنہائی ہے
اک دُنیا تری تحریر کی شیدائی ہے

درد ہوتا تھا تو اُٹھتی تھیں دُعائیں تیری
گرنے والوں کا سہارا تھیں وفائیں تیری

رحم غیروں سے مگر خود پہ جفائیں تیری
کون جانے! کسے معلوم!! ادائیں تیری

اے مَہ قوم تجھے مہر و وفا روئیں گے
آ کے تربت پہ تری صِدق و صَفا روئیں گے

باغِ دیں میں تھا ترے دم سے بہاروں کا قیام
مے عرفاں سے لبریز تھا ہر پھول کا جام

اُکھڑا اُکھڑا تھا ہر اک دشمنِ قرآں کا نظام
دین کے قافلہ سالار تجھے میرا سلام

قوم زندہ ہے تو یہ زندہ دِلی تیری ہے
یہ کرامت ہے جو اللہ کے ولی تیری ہے

(15 اکتوبر 1952ء)